مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا محافظ و پاسبان
علمی، تحقیقی و اصلاحی

دو ماہی رسالہ

تحفظِ سنت

مدیر
ابو حنظلہ عبد الاحد قاسمی
مرکزی مسجد سجان گڑھ ضلع چورو راجستھان

دو ماہی علمی و تحقیقی رسالہ

تحفظ سنت

جلد: ۱

شمارہ: ۱

محرم، صفر ۱۴۳۹ھ

ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۷ء

سالانہ زر تعاون مع ڈاک خرچ ۱۵۰/ روپے

سالانہ اعزازی تعاون ۵۰۰/ روپے

اکاؤنٹ: State Bank Of India

A/c Name: Abdulahad

A/c No. 32516395235

دفتر اشاعت:

مرکزی مسجد لاڈنوں روڈ سجان گڈھ (راجستھان)

رابطہ نمبرات: 9457637025, 9024799841

کمپوزنگ: زین العابدین قاسمی نواب گنج، ضلع بہرائچ یو۔ پی 9670660363 ـ **طباعت:** مکتبۂ مدنیہ دیو بند

فہرست مضامین

تعارف

تحفظ سنت

عقائد و اعمال کی اصلاح اور الحاد و زندقہ کی بیخ کیلئے امیر الہند حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی قیادت وسیادت میں ہزاروں علماء، فقہاء، محدثین اور مشائخین کی نگرانی میں چلنے والی ایک عظیم الشان تحریک کا نام ہے "تحفظ سنت"۔

حضرت فدائے ملتؒ نے ۱۰۰۱ء میں اس کی بنیاد رکھی، اس کے بعد دار العلوم دیو بند نے مسلسل اس کی آبیاری کی اور آج یہ پودا ایک ایسی خوبصورت شکل وصورت، مضبوط قد وقامت اور وسیع میدان عمل کے ساتھ موجود ہے کہ جس کی شاخیں نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ بیرون ہند بھی اپنی نورانی چھاؤں میں بندگان خدا کو احقاق حق وابطال باطل کا حسین درس دینے میں مصروف ہیں۔

آج سے تقریباً چھ سال قبل صحرائی وریگستانی بے آب وگیاہ سرزمین راجستھان کے سجان گڈھ میں بھی اس تحریک کا آغاز ہوا اور کسی مادی سہارے کے بغیر محض خدا کے بھروسے، نامساعد حالات، دشوار گذار وادیوں، پُرخار راستوں کو طے کرتے ہوئے یہ تحریک آہستہ ہی سہی؛ لیکن منزل کی جانب گامزن رہی اور آج بحمد اللہ راجستھان کا ایک بڑا علاقہ اس کے فیوض وبرکات کا قائل ومعترف ہے۔

آج اسی تحریک کے زیر سایہ مادی اسباب و وسائل کے بغیر محض توکلاً علی اللہ دوماہی مجلہ **"تحفظ سنت"** جاری کرنے کی جرأت کی گئی ہے، اگرچہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ راستہ دشوار ہے، منزل دور ہے، ہوا مخالف ہے، قدم پُرآبلہ ہیں، لیکن پھر بھی یہ سوچ کر عزم سفر کا حوصلہ کیا ہے کہ

انجام اس کے ہاتھ ہے آغاز کر کے دیکھ
بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کر کے دیکھ

نہ ہمارے پاس کوئی خود مختار ادارہ ہے نہ کوئی مستقل ذریعۂ آمدنی، نہ اسباب وسائل کی فراوانی اور نہ ظاہری جاہ جلال، پھر بھی خدا کی حقیقی مدد ونصرت کے علاوہ اگر اس مادی وظاہری دنیا میں کوئی طاقت ہمیں مخالف حالات سے مقابلہ کا حوصلہ دیتی ہے وہ ہے بزرگوں اور اکابرین کی دعائیں اور اپنے سیدھے سادے مخلص ساتھیوں کی حوصلہ افزائی وکرم فرمائی۔

مجلہ دوماہی **"تحفظ سنت"** ہر قسم کے باطل اور ہر اسلام دشمن طاقت سے مقابلہ آرائی و پنجہ آزمائی کا ارادہ رکھتا ہے، امید ہے تحریک تحفظ سنت سے وابستہ افراد اور رسالے کے قارئین اس مقصد کیلئے اپنے ہر ممکن تعاون سے کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ

ابتدا میں یہی فکر سوار تھی کہ اگر پانچ سو رسالے بھی جاری کئے جائیں تو لوگوں تک کیسے پہنچیں گے اور ہم فقیروں کی کون سنے گا؛ لیکن رب ذو الجلال کا کرم واحسان اور محبین ومعاونین کی کرم فرمائی دیکھئے کہ ایک ایک فرد نے

تقریباً پچاس پچاس رسالوں کی ذمہ داری لے لی اور اشاعت سے ایک ماہ قبل ہی ذوالقعدہ میں پانچ سو رسالے بُک ہوگئے اور ہمیں اپنا پہلا ارادہ تبدیل کرکے ایک ہزار رسالوں کی اشاعت کرنی پڑی۔ **فالحمد للہ علی ذلك**

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اس رسالے کو ہر قسم کی نظر بد، شرور وفتن اور حسد وعداوت سے محفوظ فرما کر ترقی وعروج کی انتہا تک پہنچائے اور احقاق حق وابطال باطل کی مشکل ترین ذمہ داری کو بحسن وخوبی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز جن اکابرین وبزرگان دین نے اپنے مشوروں ودعاؤں سے نوازا ہے ان کے سایہ کو سلامتی وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور ان کے فیوض وبرکات سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ساتھ ہی جن ساتھیوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی اور رسالے کی نشر واشاعت میں تعاون کیا اللہ انہیں بھی خوشیاں، کامیابیاں اور دونوں جہان کی ترقیاں عطا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

دعائیہ کلمات

دوماہی رسالہ "تحفظ سنت" کے اجراء کے موقع پر مدیر اور رسالہ کے تعلق سے استاد محترم حضرت مولانا مفتی **محمد راشد اعظمی** مدظلہ استاد حدیث وفقہ وناظم شعبۂ تحفظ سنت دارالعلوم دیوبند کی تحریر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا عبدالاحد صاحب سہارنپوری زید لطفہ جو سجان گڈھ راجستھان میں رہتے ہیں۔موصوف کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمات واشاعت اور ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کی شاہراہ ہدایت سے منحرف لوگوں کی اصلاح وہدایت کا بہترین جذبہ عنایت فرمایا ہے، مولانا موصوف بڑی جرأت اور شجاعت کے ساتھ اہل بدعت کے شر سے دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، نیز ان لوگوں کی بھی سرکوبی کرتے ہیں جو حدیث پر عمل کا دعویٰ کرکے دین کے اصولوں اور کتاب وسنت اور جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دوری اختیار کرتے ہیں، بڑی ہی خوشی کی بات ہے کہ مولانا نے انہیں فتنوں کا سد باب کرنے اور کتاب وسنت کے اصول صحیحہ کی اشاعت کرنے کے جذبہ سے ایک رسالہ بنام **"تحفظ سنت"** نکالنے کا فیصلہ کیا ہے، چنانچہ اس دوماہی رسالہ کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ رسالہ باطل فرقوں کی تردید کے سلسلہ میں بہت اہم ہے اس لیے میری تمام مسلمانوں اور بطور خاص علمائے کرام سے درخواست ہے کہ آپ حضرات خود بھی اس کے ممبر بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ اس کے ممبر بنانے کی سعی کریں تاکہ اس کی اشاعت عام ہو اور زیادہ سے زیادہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو کامیاب ومقبول اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اللہ تعالیٰ مولانا کے کاموں میں برکت اور قبولیت عطا فرمائے۔

احقر محمد راشد اعظمی
دارالعلوم دیوبند
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

کلمات تبریک

دوماہی رسالہ تحفظ سنت کے اجرا کے موقع پر مدیر کے نام متکلم اسلام حضرت مولانا الیاس گھمن حفظہ اللہ کی دعائیہ ومبارکبادی تحریر

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں (سنتوں) کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا اور اسی کو باعث نجات بھی قرار دیا۔ہم اھل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حجت شرعیہ ہے اور اتباع سنت محبت خداوندی کے حصول؛ بلکہ خود اللہ کے محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔خدائی احکامات اور قرآنی تعلیمات پر سنت رسول کے بغیر عمل پیرا نہیں ہوا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت درحقیقت اطاعتِ خداوندی ہی ہے۔قرآن کریم اور ذخیرۂ احادیث کے مطالعے کے بعد یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ دین اسلام میں اتباع سنت کی حیثیت جزوی نہیں؛ بلکہ اساسی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت کا دائرہ محض عبادات کی حد تک محدود نہیں؛ بلکہ طرز معیشت و معاشرت کو بھی اسی کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔دشمنان اسلام کو اس بات کا بخوبی علم ہے اس لیے وہ مختلف طریقوں سے سنت کو غیر اہم، بے وقعت، وجۂ اختلاف وافتراق، مخصوص علاقے اور مخصوص حالات اور زمانے کا کلچر کہہ کر اس پر شب خون مارنے پر تلا ہوا ہے۔یورپ کے مستشرقین، برصغیر پاک وہند کے متجددین اور بعض نام نہاد علماء، نام نہاد مذہبی اسکالرز اور دین اسلام میں تحریف کرنے والے جہلاء اس کی اس اساسی اور بنیادی حیثیت کو مشکوک بنا کر ختم کرنے کے لیے شب و روز محنت کر رہے ہیں۔ایسے حالات میں لوگوں کو بدعات، رسومات، خرافات، فرنگی تہذیب اور غیر اسلامی کلچر سے نجات دلا کر ان میں سنتوں کو زندہ کرنا احیائے سنت کہلاتا ہے جس سے معاشرے میں سنت زندہ ہوتی ہے جبکہ تحفظ سنت ایسا مبارک کام ہے جس سے سنت زندہ رہتی ہے۔اس مبارک کام کا مبارک جذبہ جس کے دل میں پیدا ہو وہ بھی قابل صد مبارک باد ہے۔

برادر مکرم مولانا ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی زید مجدہ نے دوماہی تحفظ سنت کے نام سے ایک رسالے کے اجراء کی خواہش کا اظہار فرمایا اور اس سلسلے میں ایک مکتوب میرے نام بھیجا۔جس میں مجھے حکم فرمایا کہ میں اس پر تائیدی کلمات لکھ دوں۔اگرچہ یہ مبارک کام مجھ سمیت کسی شخص کی تائید کا محتاج نہیں؛ بلکہ اس کام میں خود اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال رہتی ہے تاہم اپنی خوش قسمتی اور سعادت مندی کے پیش نظر چند کلمات تحریر کر کے اپنا حصہ اس مبارک کام میں ڈال رہا ہوں۔میں برادر مکرم مولانا ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے جس مبارک کام کے لیے قدم اٹھایا ہے اس کی آخری منزل اللہ کی جنت، جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اور باری عزوجل کا دیدار ہے۔

جن حضرات نے سرپرستی کی یقین دہانی فرمائی ہے امید ہے کہ ان کی سرپرستی آپ کی اس محنت کا جلد ثمرہ لائے گی۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو معاشرے کی ہدایت، برادر مکرم مولانا ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی اور ان کے رفقاء کار کے لئے دنیوی واخروی نجات اور روز محشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ والسلام

محمد الیاس گھمن

خانقاہ حنفیہ، مرکز اھل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا جمعۃ المبارک، یکم ستمبر 2017ء

اداریہ

برما لہولہو

ابھی گذشتہ چنددنوں سے ہندوستان کی سرحدوں سے متصل ملک برما کے مسلم اکثریتی صوبہ اراکان میں بدھشٹ دہشت گردوں اورحکومتی افواج کے ذریعہ جس طرح روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے وہ پوری انسانیت کیلئے شرم کی بات ہے، ہزاروں عورتوں، معصوم بچوں سفید ریش بزرگوں اورنوجوانوں کو ذبح کردیا گیا، زندہ جلادیا گیا، انسانی اعضاء بوٹیاں بنا کر چیل اورکووں کو کھلا دیئے گئے، ہزاروں عورتوں کوفوج میں تقسیم کردیا گیا وغیرہ ایسے ناروا وغیر انسانی سلوک کئے گئے کہ شیطان بھی شرم سے سر جھکا لے۔

یہ روہنگیا وہ بدنصیب قوم ہے جس کے قتل عام پر غیر مسلم حکمراں تو دور مسلم حکمراں بھی بے غیرتی اورضمیر فروشی کے ساتھ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، برما کوئی سپر پاور یا ایٹمی ہتھیاروں والا ملک نہیں؛ بلکہ صرف سات کروڑ کی آبادی والا معاشی اوراخلاقی اعتبار سے نہایت پسماندہ اورغریب سا ملک ہے، اس ملک میں بدھ مذہب والوں کی اکثریت ہے؛ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اسلامی حکومت اس ظالم برمی حکومت سے سوال کرنے کو تیار نہیں، مسلم حکمرانوں کی بے غیرتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، اِس مظلوم وبے بس روہنگیا قوم کو ہرسو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا ہے۔

قطر کے معاملے میں بہادری اورغیرت دکھانے والے سعودی اوراس کے اتحادی حکمرانوں کی زبانیں گنگ ہوچکی ہیں، ہندوستان کو ایٹمی ہتھیاروں کی دھمکیاں دینے والے پاکستانی سیاستدانوں اورفوجی جرنیلوں کو سانپ سونگھ گیا ہے، ۳۹ ممالک کا اسلامی فوجی اتحاد بھی بے غیرتی کی چادرتان کرسویا ہوا ہے، اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور یاس وحسرت کے ماحول میں اگرکوئی روشنی نظر آئی اورامید کی دھندلی سی کرن دکھائی دی تو وہ ہے خلافت عثمانیہ کی یادگار ترکی کے باضمیر اورغیرت مند صدر جناب **رجب طیب اردوگان** صاحب **حفظہ اللہ** اس مردمجاہد نے تن تنہا روہنگیا قوم کیلئے جوتگ ودواورکوشش کی وہ قابل ستائش بھی ہے اوردیگر مسلم حکمرانوں کیلئے ایک مثال بھی۔ اس شخص نے پہلے تو بنگلہ دیش سے اپیل کی کہ وہ سرحد پر بھٹکتی ہوئی بے یارومددگار روہنگیا قوم کیلئے اپنی سرحد کھول دے اورانہیں اپنے ملک میں اقامت کی اجازت دیدے، ان کا مکمل خرچ ترکی حکومت برداشت کرے گی، چنانچہ اس اپیل کا فوری اثر ہوا اور بنگلہ دیش نے اپنی سرحدیں کھول دیں جس کے بعد تقریباً تین لاکھ روہنگیا مسلمان تاحال بنگلہ دیش میں پناہ گزین ہوچکے ہیں۔ دوسرے نمبر پر تقریباً تمام مسلم حکومتوں کوفون کرکے اس معاملے کوسنجیدگی سے لینے اوراتحاد واتفاق کے ساتھ آواز بلند کرنے کی اپیل کی، اس اپیل کا جیسا اثر دیکھنا چاہیئے تھا وہ تو نظر نہیں آیا؛ البتہ برما حکومت کے خلاف کچھ آوازیں اوربھی اٹھنے لگیں۔ تیسرے نمبر پر برما کی وزیراعظم آنگ سان سوکی سے بات کرکے معاملہ کا حل نکالنے کی کوشش کی، اس گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ اب تک خاموش تماشائی بنی بیٹھی سوکی کو اس مدعے پر بول کر اپنی صفائی دینی پڑی۔ چوتھے نمبر پر کھانے پینے اورادویہ وغیرہ سازوسامان سے لدے جہاز برما بھیج کر فوری تعاون پیش کیا، جس سے بے سہارا لوگوں کو بڑا سہارا ملا۔ پانچویں نمبر پر اردوغان کی اہلیہ امینہ طیب کی قیادت میں ترکی کے ایک اعلی سطحی وفد نے بنگلہ دیش میں موجود روہنگیا کیمپ پہنچ کر بے سہارا لوگوں کو دلاسا دیا اوران کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی ساتھ

ہی ریلیف فنڈ بھی تقسیم کیا
چھٹے نمبر پر ۱۹/ستمبر میں ہونے والے اقوام متحدہ کے اجلاس میں پوری طاقت وقوت کے ساتھ اس معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے کا وعدہ کیا ہے۔**فجزاہ اللہ احسن الجزاء**
جتنی کوشش تن تنہا طیب اردوغان نے کی اگر تمام مسلم حکمران مل کر یہ کوشش کر لیتے تو آج برما حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑتے اور روہنگیا کا یہ مسئلہ ہمیشہ کیلئے حل ہو جاتا؛ لیکن افسوس کہ مسلم حکمرانوں نے اپنے یہود ونصاریٰ آقاؤں سے پوری امت کے جان ومال اور عزت وآبرو کا سودا کرلیا اور مکمل طور پر اپنے بے ضمیری اور بے غیرتی کا ثبوت دیا۔
ہم رجب طیب اردوگان کو ملت اسلامیہ کے تئیں ان کی غمگساری اور ایثار ومحبت کیلئے سلام پیش کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ عزم وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھئے پوری قوم آپ کے ساتھ ہے، لاکھوں کروڑوں لوگ راتوں کی تنہائیوں میں آپ کی صحت وعافیت اور بقاوسالمیت کیلئے دعائیں کرتے ہیں، آپ کی محنت اکارت نہیں جائیگی، ضرور صبح کی سپیدی نمودار ہوگی اور یہ تاریکی اپنے انجام کو پہنچے گی۔(ان شاء اللہ) اور اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر اپنے برمی بھائیوں کیلئے دعا کریں اور اگر ان کے لئے تعاون کی کوئی شکل بنتی نظر آئے تو خوب دل کھول کر تعاون کریں ساتھ ہی اپنی اپنی سطح پر آواز بھی بلند کرتے رہیں، خاموش بالکل نہ بیٹھیں؛ کیونکہ خاموشی بے غیرتی کو جنم دیتی ہے، اور مسلم حکمرانوں سے گذارش کریں گے کہ خدارا! امت کے حال پر رحم کھائیں اور بے غیرتی وضمیر فروشی کی دلدل سے باہر نکلیں ورنہ یہی ذلت کل تمہارا بھی مقدر بنے گی اور اس وقت تمہیں بھی کسی کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہوگی اور پھر کوئی بھی تمہارے حق میں آواز بلند کرنے والا نہیں ہوگا۔

جلتے گھر کو دیکھنے والو! پھونس کا چھپر آپ کا ہے
آگے پیچھے تیز ہوا ہے آگے مقدر آپ کا ہے
اس کے قتل پہ میں بھی چپ تھا میرا نمبر اب آیا
میرے قتل پہ آپ بھی چپ ہو اگلا نمبر آپ کا ہے

اس ماہ کے شروع میں ہمارے وزیر اعظم مودی بھی برما کا دورہ کرکے آئے ہیں، بعض لوگ اپنی خام خیالی میں یہ امید لگا رہے تھے کہ شاید مودی جی برما جاکر روہنگیا کا معاملہ اٹھائیں گے؛ لیکن ان کی یہ امید اس وقت خاک میں مل گئی جب مودی نے برما میں روہنگیا معاملہ کو توچُھوا اتک نہیں؛ البتہ دیگر غیر ضروری ولا یعنی مدعوں پر خوب گفتگو کی، ویسے اسرائیل سے ہاتھ ملا کر اور فلسطین کو درکنار کر کے مسلمانوں کے تئیں مودی جی نے اپنا رخ صاف کر دیا تھا اس لئے اب بھی اگر ان سے کوئی اسلامی ہمدردی کی توقع رکھتا ہے تو یہ اس کی نری حماقت ہے؛ لیکن اب معاملے میں ایک نیا موڑ آگیا ہے اور خبریں آرہی ہیں کہ بدھشٹ دہشت گردوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برما کے ہندوؤں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے اور بڑی تعداد میں برمی ہندو بھی اب در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو مجبور ہیں، اب ایسے میں دیکھنا ہے کہ خالص ہندتو کی سیاست کرنے والے مودی جی اب بھی خاموش رہیں گے یا کچھ کریں گے؟
ویسے اقوام متحدہ اور دنیا بھر کی نام نہاد حقوق انسانی کی تنظیموں سمیت تمام غیر مسلم حکمرانوں سے ہمیں نہ کل

امیدیں تھیں اور نہ آئندہ ہوں گی، یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی نسل کشی پر خاموش رہ کر تماشہ دیکھتے ہیں؛ بلکہ تالیاں بجاتے ہیں اور جب کوئی مصیبت کا مارا مسلمان مجبور ولاچار ہوکر دو چار ظالموں کو تہ تیغ کر دیتا ہے تو یہی لوگ سوگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور سب مل جل کر مذمتی بیانات جاری کرتے ہیں، کاروائیوں کی مانگ کرتے ہیں؛ کیونکہ انہیں کے اشاروں پر کشت وخون کا یہ سارا کھیل کھیلا جاتا ہے اور پھر انہیں کی مرضی سے آنگ سان سوکی جیسی ظالم وجابر عورت کو نوبل پرائز (امن پسندی کا عالمی ایوارڈ) سے بھی نواز دیا جاتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے برمی بھائیوں کی خدمت میں نہایت درد وکرب کے ساتھ گذارش کرتے ہیں کہ آپ کی تکلیف نے ہماری بھی نیندیں اڑادیں ہیں، ہم بھی مجبور ہیں کہ آپ کی مدد نہیں کر سکے؛ لیکن صبح وشام آپ کیلئے دعائیں مانگ رہے ہیں، صدقے کرر ہے ہیں اور اندر ہی اندر زار زار رور ہے ہیں اور صبر کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ بھی نہیں، آپ سے بھی یہی کہیں گے کہ اللہ رب العزت سے مدد مانگتے رہیں، صبر کریں، حوصلہ رکھیں، آپ کی آہیں عرش تلک پہنچ چکی ہیں اور بہت جلد رب ذوالجلال خود ظالموں سے انتقام لے گا، آپ کا خون رائیگاں نہیں جائیگا، آپ کی قربانیاں ایک نئی کربلا کی عبارت لکھیں گی؛ کیونکہ

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

برمی بھائیو! آپ کے لہو کی سرخی اُفق عالم پر صبح صادق بن کر نمودار ہوگی، ظلم کا سورج غروب ہوگا اور کامیابی وکامرانی کی ایک نئی صبح کا آغاز ہوگا (ان شاء اللہ) کیونکہ

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

قنوت نازلہ کا حکم

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے) "ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ قنوت نازلہ کے احکام اصل مذہب میں منقح نہیں؛ اسلئے میں نماز پنجگانہ کے بعد دعا کرنے کو بہتر سمجھتا ہوں، اور میں نے تو اس موقع خاص کیلئے بعض دعائیں قرآن وحدیث سے منتخب کرلی ہیں، ہر نماز کے بعد یا جس وقت جی چاہا پڑھ لیتا ہوں۔ ایک بات تو یہ بھی قابلِ نظر ہے کہ قنوت نازلہ کا اختیار کرنا دوسروں کو یاد دلانا ہے کہ ہمیں فکر ہے، اندیشہ ہے، میرے نزدیک بجائے قنوت نازلہ کے یہ ہی بہتر ہے کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد دعا کریں، یہ عجیب وغریب طریق ہے۔ میں نے بھی پہلے قنوت نازلہ پڑھی ہے، مگر زیادہ تر رجحان اسی طرف تھا کہ جب کہ ایک طریقہ اسلم واسہل ہے اور اس میں اخفا بھی ہے۔ اس کو ہی کیوں نہ اختیار کیا جاوے۔ دوسرے طریق میں اظہار ہے۔ اور اخفا کی صورت بہتر ہے اظہار سے۔ اور حضرت! جو اصلی تدبیر ہے اس کی طرف اس وقت تک بھی کسی کو خیال نہیں، وہ یہ کہ اپنے اعمال کی اصلاح میں لگ جائیں، اگر ایسا کریں تو چند روز میں ان شاء اللہ اس کی برکت سے دشمن خائف ہو جائیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ۱/۳۱،۳۲)

درس قرآن

سورۃ الکوثر

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو مشرکین نے آپ کے بارے میں یہ کہہ کر طعنہ زنی شروع کردی کہ اب ان کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ان کی اولاد نرینہ باقی نہیں رہی اور ان کے انتقال کے بعد کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہیں رہے گا، نبی ﷺ کو ایک جانب تو بیٹے کی جدائی کا غم دوسری جانب ان مشرکین کی طعنہ زنی، اس لئے آپ بیحد رنجیدہ خاطر ہوگئے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے نبی کا رنج وغم دور کرنے اور آپ کو تسلی ودلاسا دینے کیلئے یہ سورت نازل فرمائی، جس میں خبر دی ہے کہ اے نبی آپ کو بالکل رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے رب نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔

اَلْکوثر کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: (۱) کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ودیگر جمہور مفسرین کا قول ہے، اس تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپ کو دنیا وآخرت کے ہر طرح کے کمالات، خوبیوں اور بھلائیوں سے نوازا ہے، اگرچہ آپ کی صلبی اولاد نرینہ زندہ نہیں رہی؛ لیکن آپ کی نبوت ورسالت کے طفیل ہدایت یافتہ امت آپ کی روحانی اولاد ہے، جو سارے نبیوں کی امتوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے، آپ کی یہ روحانی اولاد آپ کے نام کا بول بالا رکھے گی اور آپ کا ذکر ہمیشہ بلند رہے گا، صرف دنیا میں نہیں میدان محشر میں شفاعت کبریٰ، حوض کوثر اور مقام محمود کے اعلی ترین اعزاز عطا فرما کر اور پھر جنت میں بھی دخول اولیں اور درجات کی بلندی وغیرہ کے ذریعہ اللہ آپ کے ذکر خیر کو بلند رکھیں گے، دوسری بات یہ کہ اگر آپ کی نرا اولاد زندہ نہ رہی تو کیا ہوا، آپ کی بیٹیاں تو ہیں، اللہ انہیں کے ذریعہ آپ کی نسل کو زندہ وجاوید رکھے گا، چنانچہ آج آپ کی بیٹی فاطمہؓ کی نسل پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ (۲) کوثر کی دوسری تفسیر حوض کوثر سے کی گئی ہے، حوض کوثر ایک ایسا خوبصورت، وسیع وعریض اور صاف شفاف چشمہ ہے جس کا پانی (صفائی میں) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، حوض پر پانی پینے کیلئے ستاروں کی تعداد کے برابر (لاتعداد) خوبصورت برتن ہوں گے، جو اس حوض سے ایک بار پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ ﷺ اس حوض پر اپنی امت کو خود اپنے ہاتھ سے جام بھر کر پلائیں گے۔ یوں تو دوسرے نبیوں کے بھی حوض ہوں گے؛ لیکن سب سے بڑا حوض ہمارے نبی کا ہوگا اور سب سے زیادہ پینے والے بھی ہمارے نبی کی حوض پر آئیں گے اس لئے آپ ﷺ تمام انبیاء پر فخر فرمارہے ہوں گے۔ ان دونوں تفسیروں میں پہلی تفسیر راجح ہے؛ کیونکہ اس میں خیر کثیر کا ذکر ہے اور خیر کثیر میں حوض کوثر بھی داخل ہے۔

فصل لربك وانحر جب آپ کے رب نے آپ کو اتنا نوازا ہے اور آپ کے ذکر کو اتنا بلند کردیا ہے

اورآپ کو ایسی عظیم الشان دنیوی واخروی نعمتیں عطافرمائی ہیں تو اب اپنے رب کا شکرادا کرنے کیلئے نماز پڑھئے اورقربانی کیجئے۔عبادتوں میں نمازاورقربانی کا ذکراس لئے کیا کہ جانی عبادتوں میں نمازسب سے افضل ہے اور مالی عبادتوں میں قربانی سب سے افضل ہے ،اگرچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ نماز کے ساتھ قربانی کے بجائے زکوۃ کاذکر ہے ؛لیکن یہاں بطورخاص قربانی کا ذکراس لئے کیا کہ مکہ کےمشرکانہ ماحول میں جہاں بتوں کے نام پرقربانیاں ہوتی ہوں وہاں صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کے نام پرقربانی کرنا گویامشرکانہ رسوم کی جڑیں اکھاڑنا ہے؛اس لئے اس ماحول میں اللہ کیلئے قربانی افضل عبادت ہے۔

وانحر کی تفسیر میں بعض مفسرین نے حضرت علی اورعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات بھی ذکرکی ہیں جن میں ہے کہ **وانحر** کا مطلب نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہے؛لیکن یہ دونوں روایات سخت ضعیف اور نا قابل اعتبار ہیں،عبداللہ بن عباسؓ کی روایت توموضوع ہے؛البتہ حافظ ابوعمر بن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب التمہید جلد ۲۰ صفحہ ۷۸ پرسنن اثرم کے حوالے سے بالکل صحیح سند کے ساتھ **وانحر** کی تفسیر میں حضرت علیؓ کی روایت ذکرکی ہے کہ (نماز میں)دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پرناف کے نیچے باندھنا چاہئے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یہ ان مشرکین کو جواب ہے جوآپ ﷺ کومقطوع النسل اورابتر ہونے کے طعنے دیتے تھے،اللہ نے فرمادیا کہ اے نبی! آپ کی روحانی وصلبی نسلوں کی بقاکے ساتھ ساتھ دنیاوآخرت میں آپ کا ذکرخیر ہمیشہ باقی رہے گا ؛لیکن آپ کا دشمن جوآپ کوعیب لگا تاہے اورنسل ختم ہونے کے طعنے دیتاہے وہ خود ہی بے نام ونشان ہوجائیگا اوراس کا نام لینے والا بھی کائنات میں کوئی باقی نہ رہے گا۔اورایسا ہی ہوا چنانچہ آپ ﷺ کی روحانی وصلبی اولاد تو دنیا بھر میں موجود ہے؛لیکن طعنہ زنی کرنے والے مشرکین کا کوئی نام ونشان باقی نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے)

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے انبیاءعلیہم السلام کو بالکل ہرطرح سے کامل پیدافرمایا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی،حتیٰ کہ خوبصورت بھی کامل عطافرمائی گئی تھی،اور ہمارے حضور ﷺ تو اس قدرجامع تھے کہ اگر کسی کو حضور ﷺ کے کمالات بھی نہ معلوم ہوں توصورت ہی دیکھ کر کشش ہوتی تھی، اورحضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلاموں کی صورت دیکھ کراہل نظر کو کشش ہوتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بریلی ایک جلسہ میں شریک ہوئے تھے،ان کو ایک غالی بدعتی کے ایک مرید نے دیکھ کرایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مولانا خلیل احمد صاحب ہیں،کہا ان کو وہابی کہتے ہیں،کیا وہابی کی صورت پرایسا نور ہوسکتا ہے؟ یہ لوگ ہرگز وہابی نہیں ہوسکتے، لوگ فضول ان کو بدنام کرتے ہیں۔اب بتلائیے کہ اس نے مولانا کی کونسی کرامت دیکھی تھی؟ یا کون سے علوم ظاہرہ یاباطنہ دیکھے یاسنے تھے؟محض صورت ہی تو دیکھی تھی،صورت دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑا،واقعی حق کا نور کب چھپتا ہے۔(ملفوظات حکیم الامت ۸/ ۲۲۲)

درس حدیث (قسط اول)

وحی کا بیان

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

وحی کے لغوی معنی "الاشارۃ السریعة الخفیة" (خفیہ تیز اشارہ) اور اصطلاحی معنی "انبیاء کیلئے اللہ کا پیغام"۔ لغوی اعتبار سے انسان، جنات، جاندار، غیر جاندار، نبی و غیر نبی سبھی کی طرف وحی کی نسبت کی جاسکتی ہے، قرآن میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں؛ لیکن شرعی اعتبار سے وحی صرف انبیاء کیلئے خاص ہے، غیر انبیاء کی جانب اس کی نسبت حرام ہے۔

عن عائشة ام المؤمنين رضى الله عنها ان الحارث بن هشام سأل رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله! كيف يأتيك الوحى؟ فقال رسول الله ﷺ: احياناً يأتينى مثل صلصلة الجرس وهو اشده علىّ فيفصم عنى وقدوعيت عنه ماقال، واحياناً يتمثل لى الملك رجلاً فيكلمنى فاعى مايقول ،قالت عائشة رضی اللہ عنہ: ولقدرأيته ينزل عليه الوحى فى اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وان جبينه ليتفصد عرقاً(صحيح البخارى ج١ص٢) ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کبھی تو میرے پاس وحی آتی ہے گھنٹے کی آواز کی طرح، اور وحی کی یہ کیفیت میرے اوپر بہت بھاری ہوتی ہے، یہ آواز ختم ہوتی ہے تو میں اللہ کے کلام کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی وحی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور میں اس کی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ شدید سردی کے زمانے میں آپ پر وحی کا نزول ہونے کے بعد آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپ ٹپ گر رہا تھا۔

حضرت حارث بن ہشامؓ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، وحی کے تعلق سے بہت کچھ سن چکے تھے اسی لئے شدت شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لیا کہ یارسول اللہ! آپ پر وحی کے نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ ان کا یہ سوال کسی شک یا تردد کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ شوق کے غلبے میں اور اطمینان حاصل کرنے کیلئے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں مایوس نہیں کیا اور تسلی و محبت کے ساتھ ان کی بات کا جواب ارشاد فرمایا کہ: میرے اوپر وحی کا نزول کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ گھنٹی کی آواز یا کسی چکنے پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے جیسی آواز سنائی دیتی ہے اور جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو وحی میرے سینے میں محفوظ ہو جاتی ہے۔

گھنٹی کی یہ آواز کس کی تھی؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن میں مشہور اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آواز وحی کی اصل آواز تھی یعنی خود باری تعالی عز اسمہ کے کلام نفسی کی آواز تھی، اب یہاں ہمیں اللہ رب العزت کی صفت صوت (آواز) کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا ہے جو دیگر صفات متشابہات ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) ساق (پنڈلی) وغیرہ کے متعلق رکھتے ہیں کہ جب قرآن وحدیث نے ان صفات کی خبر دیدی تو یہ صفات یقینی ہیں؛ لیکن ایسی نہیں جیسی

ہماری ہیں بلکہ جیسا اللہ کی شان کے لائق ہو۔

وحی کی اس کیفیت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثؓ کی دلجوئی کیلئے ایک مزید بات بھی بتلادی، وہ یہ کہ وحی کی یہ کیفیت تمام کیفیات وحی میں مجھے سب سے زیادہ سخت اور بھاری محسوس ہوتی ہے۔ ویسے تو وحی کی صورتیں بڑی شدید ہیں؛ کیونکہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام بڑی عظمت و رفعت والا کلام ہے، خود اللہ نے قرآن کریم میں اپنے کلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا (مزمل آیت:۵) ترجمہ: (اے نبی) بیشک ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (الحشر آیت ۲۱) ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تُو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا الآیۃ (الاحزاب ٰایت ۷۲) ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے۔

کلام الٰہی کی اسی ہیبت اور عظمت وجلال کی وجہ سے نزول وحی کے وقت آپ بڑی شدت محسوس فرمایا کرتے تھے؛ لیکن نزول وحی کے وقت آپ کو سب سے زیادہ مشقت اور شدت کا سامنا اس وقت ہوتا جب اس مذکورہ طریقہ پر وحی نازل ہوتی۔ اس طریقہ میں شدت کی وجہ یہ ہے کہ یہ آواز اللہ رب العزت کی آواز ہوتی اور پروردگار براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوتا، بندہ بہرحال بندہ ہے کتنا بھی صعود کرے اور رب بہرحال رب ہے کتنا بھی نزول کرے اس لئے اس طریقہ پر وحی میں آپ کو زیادہ شدت برداشت کرنی پڑتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! **هل تحس بالوحی؟ فقال رسول الله ﷺ: نعم اسمع صلاصل ثم اسكت عند ذلك فما من مرة يوحى الى الا ظننت ان نفسی تفيض** (مسند احمد ج۲ ص۲۲۲) ترجمہ: یارسول اللہ! کیا آپ وحی کو محسوس فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، مجھے پتھر پر زنجیر کھینچنے جیسی آواز سنائی دیتی ہے تو میں خاموش ہوجاتا ہوں (اپنی مکمل توجہ وحی الٰہی کی جانب لگادیتا ہوں) کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور مجھے (شدت وثقل کی وجہ سے) ایسا لگنے لگتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔

وحی کی دوسری شکل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور جو باتیں بتلاتا ہے میں انہیں محفوظ کرلیتا ہوں، کتب احادیث میں ایسی بہت ساری مثالیں ہیں جب جبریلؑ کسی انسان کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے اور پیغام الٰہی پہنچا کر رخصت ہوگئے، سب سے مشہور واقعہ وہ ہے جو صحیحین میں بروایت حضرت عمرؓ نقل کیا گیا اور حدیث جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے جس کے الفاظ ہیں **بينما نحن عند رسول الله ﷺ اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر لا يرى عليه اثر السفر ولا يعرفه منا احد**۔ ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ایک آدمی مجلس میں تشریف لائے جن کے کپڑے بالکل سفید اور بال بالکل سیاہ تھے، نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا نہ ہم

میں کوئی انہیں پہچانتا تھا۔ روایت تھوڑی طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نو وارد شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب نہایت بے تکلفانہ انداز میں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور اسلام، ایمان، احسان اور قیامت وعلامات قیامت سے متعلق آپ سے کچھ سوالات کئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے، اس کے بعد وہ نو وارد شخص چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: أتدری من السائل؟ جانتے ہو سائل کون تھے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ ورسوله اعلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے تشریف لائے تھے۔ (بخاری، مسلم) متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ جبریلؑ اکثر وبیشتر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

نزول وحی کی بہت ساری کیفیات احادیث میں وارد ہوئی ہیں حتی کہ بعض علماء نے چھیالیس تک شمار کرائی ہیں، لیکن ان میں مشہور چھ ہیں:

(۱) صلصلة الجرس: (گھنٹی کی آواز) جس کا ذکر آچکا۔

(۲) رؤیائے صادقه: (سچے خواب) انبیاء کرام علیہم السلام کو خواب میں بتائی جانے والی چیز بھی وحی کا حکم رکھتی ہے، انبیاء کے خواب میں عام انسانوں کے خوابوں کی طرح شیطان کا دخل بالکل نہیں ہوتا۔

(۳) القاء فی القلب: (خدا کی طرف سے بغیر کسی سبب کے دل میں کسی بات کا ڈال دینا، یا دوسرے الفاظ میں نبی کا کسی معاملہ کے متعلق شرح صدر ہوجانا) یہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں ہمیشہ صواب ودرست ہوتا ہے اس لئے یہ بھی وحی کے اقسام میں ہے، القاء فی القلب کی یہ شکل کبھی غیر انبیاء کو بھی پیش آتی ہے جسے الہام یا کشف سے تعبیر کرتے ہیں؛ لیکن نبی اور ولی کے القاء میں فرق اتنا ہے کہ نبی کا القاء ہمیشہ درست ہوتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی غلطی یا خطا کا امکان نہیں ہوتا جبکہ ولی کا القاء ظنی ہوتا ہوتا ہے اور اس میں غلطی وخطا کا احتمال رہتا ہے۔

(۴) فرشتہ کا اپنی اصلی شکل میں آکر وحی کرنا: ایسا صرف دو مرتبہ ہوا ہے کہ جبریل اپنی اصلی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں، ایک تو اس وقت جب سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں دوسرے معراج کے سفر میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، ان دونوں واقعات کا قرآن میں سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے۔

(۵) اللہ رب العزت کا نبی سے من وراء الحجاب کلام کرنا: یعنی کلام تو سنائی دے؛ لیکن صاحب کلام نظر نہ آئے، جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے طور پہاڑ پر کلام کیا، اور بہت سے علماء کے نزدیک معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ کی گفتگو اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

(۶) تمثل ملک: فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا، اس کا بیان ہو چکا۔

اس روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دو کیفیت ذکر فرمائیں؛ کیونکہ اکثر وبیشتر وحی کے نزول کی یہی صورتیں ہوا کرتی تھیں، ان میں پہلی شکل شدید تر تھی اور دوسری آسان تر تھی، پہلی کی شدت کا بیان تو اسی روایت میں آ گیا اور دوسری کے آسان ہونے کا بیان حضرت حارثؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے: عن الحارث بن هشام قال: سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیف یأتیك الوحی؟ قال: یأتینی صلصلة کصلصلة الجرس ویأتینی احیانا فی صورة رجل یکلمنی کلاماً وهو اهون علی

الخ(طبرانی کبیر ج۳ص۲۹۳) ترجمہ: حضرت حارثؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسی پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ صورت انسانی میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے اور وحی کی یہ شکل (فرشتے کا صورت انسانی میں آکر کلام کرنا) مجھ پر بہت آسان ہوتی ہے۔ روایت کے آخر میں ام المؤمنین صدیقہؓ نے وحی کی شدت اور سختی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے خود دیکھا ہے سخت سردی کے موسم میں جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینے میں شرابور ہوتی تھی۔

وحی کی شدت اور نزول وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کا بیان اور بھی کئی صحابہ نے کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اور آپ کی ران مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا، آپ کی ران مبارک اتنی بھاری ہو گئی کہ مجھے خوف ہوا کہیں وزن کی وجہ سے میری ران نہ پھٹ پڑے حالانکہ اس وقت صرف ایک لفظ غیر اولی الضرر کی وحی نازل ہوئی تھی (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ان النبی ﷺ کان اذا اوحی الیہ وھو علی ناقتہ وضعت جرانھا فلم تستطع ان تتحرک (مستدرک حاکم ج۳ص۱۰۸ وقال صحیح الاسناد ووافقہ الذھبی) جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا اور آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ڈال دیتی اور بالکل بے حس وحرکت ہو جاتی۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: کنت اکتب الوحی لرسول اللہ ﷺ وکان اذا نزل علیہ اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرق عرقاً شدیدا مثل الجمان الخ (طبرانی کبیر ج۵ ص۱۴۲) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وحی لکھا کرتا تھا، جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو شدید بخار آجاتا اور شدید پسینے میں شرابور ہو جاتے اور وہ پسینہ آپ کے بدن مبارک سے ایسے ٹپکتا گویا موتی ٹپک رہے ہیں۔

(جاری)

علمائے دیوبند کی خدمات

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے)

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جماعت دیوبندی نے جس قدر غیر مقلدوں کا سر توڑا ہے بڑے بڑے حنفیت کے دعوے دار بدعتیوں سے کچھ بھی نہ ہو سکا، بس ان کو تو ایک چیز آتی ہے اسی میں کمال ہے کہ اٹھایا دھڑ سے کفر کا فتویٰ دیدیا۔

(ملفوظات حکیم الامت ۸ / ۲۵۸)

ماہ محرم کی حقیقت

مولانا عبدالعلی فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ البدر کاکوری لکھنؤ

اسلامی سال کا آغاز ماہ محرم الحرام سے ہوتا ہے، اوراس مہینے کی فضیلت و بزرگی اسلام میں مسلم ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم۔** (مسلم شریف) ترجمہ: اللہ کے مہینے رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے ہیں۔اسی طرح ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ رمضان کے علاوہ کس مہینے کے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا ماہ محرم کے۔یوم عاشورہ کے روزے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا: **من صام عاشوراء غفر له سنة۔** یعنی جوشخص یوم عاشورہ کا روزہ رکھے اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے اس روزہ کا سبب دریافت فرمایا، توانہوں نے بتایا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم بنی اسرائیل کوفرعون کے ظلم واستبداد سے نجات ملی اورفرعون غرق ہوا جس کے شکریہ کے طور پر اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، اس لئے ان کی پیروی میں ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔آپ نے یہ سن کر فرمایا، حضرت موسیٰ سے سب سے زیادہ ہم کو تعلق ہے، اور ہم ان کے سب سے بڑے حقدار ہیں، پھرآپ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا؛ بلکہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے تو حضور علیہ السلام اس روزہ کی بڑی تاکید فرماتے تھے، اور خود آپ نے کبھی بھی اس روزہ کو نہیں چھوڑا، اپنی عمر شریف کے آخر سال میں جب حضور علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس روزہ میں حقیقتاً مسلمانوں کا یہود کے ساتھ تتبع ہورہا ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو اس ایک دن کے ساتھ ایک دن کا اور روزہ رکھوں گا، مگر اسی سال حضور کی وفات ہوگئی۔ اسی لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسلمان دوروزہ رکھیں۔ یا ۹/۱۰ رمحرم کو یا ۱۰/۱۱ رمحرم کو۔ بہرحال ۱۰ رمحرم الحرام سے پہلے یا اس کے بعد ایک روزہ جوڑ لیں۔تاکہ حضور کی منشا کے مطابق یہود سے مشابہت ختم ہوجائے۔

ماہ محرم کی اہمیت اسلام سے پہلے:

محرم کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کی اہمیت اسلام کے ظہور سے پہلے ہی سے موجود ہے۔ چنانچہ اسی مہینے میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پرٹھہری، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے یوسف علیہ السلام سے چالیس برس کے بعد اسی مہینے میں ملے، حضرت داؤد علیہ السلام کی اسی مہینے میں مغفرت ہوئی۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی مہینے میں اپنا چھنا ہوا ملک واپس ملا، حضرت ایوب علیہ السلام کو اسی مہینے میں مصیبتوں اور آزمائشوں سے چھٹکارا ملا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اسی مہینے میں مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو اسی مہینے میں فرعون کے غرق دریا ہونے کے بعد اس کے ظلم سے نجات ملی۔
یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب اس مہینے کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ۱۰ر محرم الحرام (یوم عاشورہ) کو کفار مکہ غلاف کعبہ بدلا کرتے تھے۔

شہادت حسینؓ اور ماہ محرم

اسی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو نواسۂ رسولؐ شہید مظلوم سیدنا حسینؓ کی شہادت ہائلہ کا واقعہ بھی پیش آیا، گو کہ پوری اسلامی تاریخ ہمارے شہداء کے خون سے لالہ زار ہے اور صرف اسلام کی پہلی صدی کی مسلمان شہداء کی فہرست تیار کی جائے تو ایک دفتر درکار ہے، مگر ان شہداء میں بھی بہر حال فرق مراتب تو ہے ہی۔ مثلاً اسلام کی پوری تاریخ میں جتنی مظلوم شہادت خلیفہ سوم، داماد رسول سیدنا عثمان غنیؓ کی ہوئی، دوسری کوئی شہادت نہیں ہوئی۔ یہ حادثہ فاجعہ ۱۸ر ذی الحجہ کو پیش آیا۔

اسی طرح امیر المومنین خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کو جتنا عظیم نقصان پہنچا، اس کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی؛ کیوں کہ ان کی وفات کے بعد اسلامی ترقیات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ فاروق اعظمؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ بھی اسی ماہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو پیش آیا۔

اسی طرح مسلمان عم رسول سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں، جو سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد میں شہید ہوئے، اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سید الشہداء کے خطاب سے نوازا، اور جن کی یاد کو حضور علیہ السلام آخر دم تک فراموش نہ کر سکے۔

اسی طرح سیدنا حسینؓ بن علیؓ کی شہادت کو بھی مسلمان بھلا نہیں سکتے، ان کی شہادت مسلمانوں کے لئے دو اعتبار سے خصوصی توجہ اور اہمیت کی حامل ہے، ایک اپنی مظلومیت کے اعتبار سے اور دوسرے نبی کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کی قرابت کی وجہ سے۔

مگر بایں ہمہ ماہ محرم کی تمام تر اہمیت کا رشتہ سیدنا حسینؓ کی شہادت عظمیٰ سے جوڑنا اور یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ ماہ محرم کو جو کچھ اہمیت حاصل ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس مہینے میں سیدنا حسینؓ مظلوم کی شہادت ہوئی، سراسر گمراہی اور تاریخی حقائق سے روگردانی ہے۔

جیسا کہ قارئین نے مندرجہ بالا حقائق سے سمجھ لیا ہوگا کہ ماہ محرم اور عاشورہ محرم (۱۰ر محرم) کی اہمیت حضرت حسینؓ کی شہادت عظمیٰ کا حادثہ پیش آنے سے بہت پہلے ہی سے اسلام میں موجود تھی اور حضور علیہ السلام نہ صرف اس مہینے کو اہمیت دیتے تھے؛ بلکہ اپنے اصحابؓ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ ظہور اسلام سے بھی بہت پہلے ماہ محرم کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ حتیٰ کہ کفار و مشرکین مکہ بھی اس کی عظمت و احترام کے قائل تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں ماہ محرم کا تمام تر تعلق صرف حضرت حسینؓ سے جوڑنا حقائق سے منھ چرانے اور تاریخی گھپلے بازی کے سوا اور کیا ہے؟۔

کیا محرم غم کا مہینہ ہے؟

عجیب حیرت ناک امر ہے کہ وہ مہینہ جو اتنے فضائل کا حامل ہو اور جس کی اہمیت تاریخ کے ہر دور میں نا قابل انکار رہی ہو، آج اس مہینہ کو غم کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ روافض نے تو سیدنا حسینؓ کی شہادت کے حادثہ کو داستان زلف در زلف اس لیے بنایا تا کہ حسین مظلومؓ کے قتل کا داغ ان کے دامن سے چھوٹ جائے، مگر تعجب تو اہلسنت پر ہوتا ہے کہ وہ شیعی پروپیگنڈہ کے اس درجہ شکار ہیں کہ ماہ محرم کے فضائل ومناقب فراموش کر کے اسے غم کا مہینہ قرار دینے پر کیوں کر آمادہ ہو جاتے ہیں؟ پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ شہادت بڑے مقام ومرتبہ کی چیز ہے، اور اس کا حاصل ہونا کمال سعادت کی دلیل ہے۔ چنانچہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا اس طرح پرزور انداز میں کی ہے: **لوددت ان اقاتل فی سبیل اللہ ثم اُحییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل**۔ ترجمہ: میں تمنا کرتا ہوں کہ راہ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔

اسی طرح خلفیہ دوم امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظمؓ دعا کیا کرتے تھے: **اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک و اجعل موتی ببلد رسولک**۔ ترجمہ: اے اللہ تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما، اور مجھے اپنے رسول کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما۔

حق تعالیٰ نے ان کی ان دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا، اور عین حالت نماز میں مسجد نبوی کے اندر آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں آپ نے جام شہادت نوش کیا، پھر آپ کی موت بھی مدینۃ الرسول میں واقع ہوئی۔ اور بعد وفات قرب رسول حاصل ہوا۔ اور آج تک رفاقت کا شرف حاصل ہے۔

اسی طرح خلیفۂ چہارم سیدنا علی مرتضیٰؓ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا، اور آپ گرے تو زبان مبارک سے فرمایا: **فزت و رب الکعبۃ**۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مومن کا مقصود ومطلوب شہادت فی سبیل اللہ ہے، تو جب شہادت اتنی مہتم بالشان چیز ہے تو اس پر آہ وبکا اور گریہ وزاری اور نالہ وشیون کیسے زیب دے سکتا ہے؟

سیدنا حسینؓ کی شہادت اپنی مظلومیت کے اعتبار سے کتنی ہی اہم سہی، مگر اس کی اجازت تو مذہب اسلام سے مل ہی نہیں سکتی کہ جس مہینے میں ان کی شہادت واقع ہوئی اسے ماہ غم کا عنوان دے کر اس میں شادی بیاہ اور دوسری تقریبات کو قطعاً اپنے اوپر حرام کر لیا جائے۔

اور اگر محض شہادت ہی کی وجہ سے کسی مہینے کو غم کا مہینہ قرار دیا جا سکتا ہے تو ماہ شوال میں کیسے خوشیاں منائی جاتی ہیں اور کیوں شادی بیاہ کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں جب کہ اسی مہینے میں حضور علیہ السلام کے جاں نثار اور چہیتے چچا سیدالشہداء حضرت حمزہؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ حضور علیہ السلام اس دل دوز منظر کو دیکھ کر بے چین ہو اٹھے، اور اعلان فرما دیا: **عمی سیدالشہداء** میرے چچا شہیدوں کے سردار ہیں۔

یہی نہیں؛ بلکہ حضور علیہ السلام، چچا کی شہادت اور ان کی نعش مبارک کی بے حرمتی کے صدمہ کو تمام عمر نہ بھلا سکے، اور وحشی قاتل حضرت حمزہؓ کو اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ تاکید فرما دی تھی کہ "وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا

کرو، کیوں کہ تمہیں دیکھ کر مرحوم چچا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔'' وہ شہادت جس سے حضور علیہ السلام اس درجہ متاثر ہوئے ہوں کیا مسلمانوں کی توجہ کی مستحق نہیں ہے، اور کیا حضرت حمزہؓ حضور علیہ السلام کے چہیتے چچا نہیں تھے؟ اسی طرح اگر شہادت ہی کی وجہ سے کسی مہینہ کو غم کا مہینہ قرار دیا جاسکتا ہے تو اس کا مستحق سب سے زیادہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے جس کی ۱۸ ر تاریخ کو ذی النورین سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا، جن کی شہادت بلاشبہ تاریخ اسلامی کی سب سے زیادہ مظلوم شہادت تھی۔ اور اقتدار و سلطنت ہونے کے باوجود سیدنا عثمان غنیؓ نے جس عدیم المثال صبر وضبط کا مظاہرہ کیا ہے اس کی پوری تاریخ میں دوسری نظیر نہیں مل سکتی۔ کیوں کہ سیدنا حسینؓ نے بحالت مجبوری ہی سہی، مگر حملہ ہوجانے کے بعد تلوار تو نکال لی اور دشمن سے مقابلہ بھی کرلیا۔ لیکن سیدنا عثمان غنیؓ نے آخر دم تک اس کو گوارہ نہ کیا کہ ان کی وجہ سے مدینۃ الرسول کی حرمت پامال ہو، اور کسی کلمہ گو کی نکسیر ٹوٹے، جب کہ انہیں پوری طرح طاقت واقتدار حاصل تھا، اور محض ایک اشارے پر باغیوں کی معمولی سی ٹولی کا قصہ تمام ہوجاتا؟۔

جہاں تک قرابت نبوی کا سوال ہے تو اگر سیدنا حسینؓ حضور علیہ السلام کے نواسے اور آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہراؓ کے جگر گوشے تھے تو سیدنا عثمان غنیؓ بھی حضورؐ کے داماد تھے، اور یکے بعد دیگرے حضورؐ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ ان کے عقد میں آئیں، اور حضور کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ دوسری صاحبزادی کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں ان کا نکاح بھی عثمانؓ سے کردیتا۔

تو جب مسلمان شوال کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت واقع ہوئی، ذوالحجہ کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں ذی النورین سیدنا عثمانؓ غنی کی شہادت ہوئی۔ رمضان کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں سیدنا حسینؓ کے والد محترم داماد رسول سیدنا علیؓ کی شہادت واقع ہوئی، تو پھر محرم کو غم کا مہینہ کیوں کر قرار دے سکتے ہیں؟۔

یہ تو محض چند مثالیں پیش کی گئیں۔ ورنہ اسلامی سال کا کون سا مہینہ ہے جس میں جاں نثاران اسلام نے جام شہادت نہ نوش کیا ہو تو اگر اسے ہی غم کی بنیاد قرار دیا جائے تو مسلمان تصویر غم بن کر رہ جائے اور اس کی زندگی میں مسرت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔

محرم اور تعزیہ:

تعزیہ خالص شیعی ایجاد ہے جسے سیدنا حسینؓ کی قبر مبارک کی شبیہ قرار دیا جاتا ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ تاریخی طور پر سیدنا حسینؓ کی قبر کی صحیح تحقیق بھی نہیں ہوپاتی کہ وہ کس مقام پر ہے اور کس انداز کی بنی ہے، مگر اس کی شبیہ بن کر تیار ہوگئی، پھر اس میں بھی یہ قید نہیں کہ تمام تعزیے ایک ہی وضع کے ہوں، بلکہ حسب حیثیت جو جتنا قیمتی چاہے تعزیہ بنوالے، اور اسے شبیہ روضۂ امام حسینؓ کے نام سے موسوم کردے۔

تعزیہ کا وجود نویں صدی ہجری سے پہلے کہیں نہیں ملتا، جب کہ سیدنا حسینؓ کی شہادت سنہ ۶۱ ہجری میں واقع ہوئی، نویں صدی ہجری کے آخر میں شیعہ بادشاہ امیر تیمور لنگ نے سب سے پہلے تعزیہ کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ہمایوں بادشاہ کے حکم سے بیرم خاں کربلا سے پتھر کا تعزیہ بنوا کر ہندوستان لایا، اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور آج شیعہ اسے اپنا مذہبی شعار بنا کر پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک شیعوں کا معاملہ ہے تو ہم کو ان سے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا ہے، مگر ہاں ان برادران اہلسنت سے جو آج تک نادانی اور جہالت کی وجہ سے تعزیہ داری کرتے ہیں، یا تعزیہ کو قابل احترام چیز سمجھتے ہیں۔ یہ ضرور کہنا ہے کہ اگر تعزیہ کی کچھ اصل ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعزیہ صحابہ کرامؓ یا بعد کے لوگ بنواتے، یا اسی طرح صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، یا دیگر شہدائے اسلام کے تعزیے بنتے، اور اگر کسی خاص وجہ سے صرف سیدنا حسینؓ ہی کا تعزیہ بننا تھا تو ان کی شہادت اور تیمور لنگ کے درمیان گذرے ہوئے تقریباً آٹھ سو سال کے مسلمان بناتے، کیا تیمور لنگ سے پہلے کسی بھی مسلمان کو سیدنا حسینؓ سے محبت نہ تھی کہ ان کی یاد کو تعزیہ کے نام سے زندہ رکھنے کی کوشش کرتا؟
اس موقع پر ایک انگریز افسر کا وہ واقعہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک مرتبہ اس نے ایک تعزیہ کے ساتھ کچھ لوگوں کو روتے دھوتے جلوس کی شکل میں جاتے دیکھ کر اپنے ساتھ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ پیغمبر اسلام کے نواسے آج سے تیرہ سو سال پہلے کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ لوگ انہیں کی یاد میں رو رہے ہیں اور یہ ان کی قبر کی نقل ہے۔ یہ سن کر اس انگریز افسر نے بڑے دکھ بھرے لہجہ میں کہا ''افسوس کہ ان لوگوں کو کافی دیر میں خبر مل سکی''۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ امیر تیمور لنگ کی ایک سازش تھی جس کے ذریعہ اس نے مسلمانوں کو ایک غلط اور خود ساختہ بدعت پر گامزن کرنے کی کوشش کی اور اپنے اقتدار و سلطنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے ترویج دیا جس کا اسلام کی پاک و مقدس تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جاہلانہ رسوم سے نجات دے کر اپنے دین حنیف پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(قسط اول)

کردار یزید اور شہید کربلا

امام المناظرین مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" پر محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نوراللہ مرقدہ نے ایک تبصرہ لکھا تھا جسے خود مولانا نے اپنی زندگی میں تو شائع نہیں کروایا (شاید مولانا خود اس سے مطمئن نہ ہوں) لیکن بعد میں مولانا کے وارثین نے اسے چھپوادیا، اس تبصرہ میں فسق یزید کے متفق علیہ موقف سے اختلاف کرنے کے ساتھ ساتھ یزید کا زوردار انداز میں دفاع بھی کیا گیا ہے ،مولانا اعظمیؒ کا یہ موقف اکابرین دیوبند کے متفقہ مسلک ومشرب سے متصادم ہے، اوراس کے شائع ہونے سے مسلک دیوبند کے متعلق غلط فہمیاں پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ جماعت دیوبند کا کوئی معتمد ومستند عالم اس تبصرہ پر نظر کرے اور دلائل وبراہین کے ساتھ اس کی تردید کرے۔ چونکہ مولانا اعظمیؒ کی شخصیت نہایت اعلی وارفع ہے اس لئے ان کے تبصرہ کی تردید کیلئے بھی کوئی بلند وبالا شخصیت ہی سامنے آئے تو مناسب ہوگا، اللہ تبارک وتعالی نے یہ سعادت مناظر اسلام حضرت مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ کے حصے میں رکھی تھی ،اس لئے مولانا گیاوی مدظلہ نے اپنے ضعف پیرانہ سالی اور شدید علالت ونقاہت کے باوجود اس خدمت کو اپنے سرلیا اور نہایت مدلل ومفصل انداز میں مولانا اعظمیؒ کے تبصرہ کا رد کیا ہے، جسے ہم قسط وار رسالہ تحفظ سنت میں شائع کریں گے ان شاء اللہ۔ نوٹ:۔ مولانا اعظمیؒ ایک جلیل القدر اور متبحر عالم دین تھے، ان کی عظمت ومحبت ہمارے قلوب میں جلوہ گر ہے، لیکن چونکہ اس مسئلے میں ان سے شدید چوک ہوئی اس لئے عظمت ومحبت کے اعتراف کے باوجود مولاناؒ کی غلطی پر تنبیہ ہمارا مسلکی فریضہ ہے۔ ادارہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد

محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کوئی غیر معروف عالم نہیں ہیں، وہ ایک معروف عالم اور جلیل القدر محدث کی حیثیت سے علمی حلقوں میں متعارف ہیں ،مولانا اعظمیؒ نے سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب "شہید کربلا و یزید" پر ایک تبصرہ لکھا ہے جو ان کے علم وفضل سے بہت فروتر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف سے بھی منحرف ہے، حیرت ہے کہ مولانا مرحوم نے کیسے یہ تبصرہ لکھا؟ اگر انہوں نے لکھ ہی دیا تھا تو ان کے وارثین نے اور مکتبہ ابوالمآثر مرقاۃ العلوم مئو نے اس کو زیور طبع سے آراستہ کیونکر کردیا، جبکہ ان کا یہ تبصرہ تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللّٰہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں، جیسا کہ (زیر نظر مضمون) "کردار یزید اور شہید کربلا" کو پڑھنے کے بعد قارئین کرام کو معلوم ہوجائیگا، اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس تبصرہ کے خلاف یہ سطور لکھ دی گئی ہیں، یہ (فسق یزید کی بحث) صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں ہے؛ بلکہ حدیث کی اور مستند روایتیں اس واقعہ کو ثابت کرتی ہیں اور یہ واقعہ فروعی عقیدے کو چھوتا ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی علیہ الرحمہ سرے سے یزید کے فاسق ہونے کا انکار کرتے ہیں، اگر انہوں نے صرف قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر تنقید کی ہوتی تو یہ کوئی خاص بات نہ ہوتی؛ کیونکہ کسی بھی تصنیف کا حرف بحرف صادق ہونا ضروری نہیں ہے، اس میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی یا کمزوری یا خلاف واقعہ باتیں آہی جاتی ہیں، جس کا رد بھی ایک ضروری امر ہے۔

ہماری تحریر کے اندر زیادہ حصے پر یزیدی کردار اور اس کے فاسق ہونے کے کارنامے بدلائل ذکر کئے گئے ہیں، حضرت حسینؓ کی شہادت کی تفصیل اور اس کے متعلقات پر بحث نہیں کی گئی ہے، ایک تو اس لئے کہ یزید کا فسق صرف شہادت حسین پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ اس کے فسق کیلئے اور بھی دلائل وواقعات موجود ہیں، دوسرے اس لئے بھی کہ شہادت حسینؓ کا واقعہ قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کا موضوع ہے اور اس میں تفصیل سے آچکا ہے، اس لئے میں نے اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔

میری تحریر پڑھنے والوں کو درج ذیل باتوں پر نظر رکھنا چاہئے:

تحریر میں جگہ جگہ تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ کے حوالے دیئے گئے ہیں، اس سلسلے میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان سے چھپا ہوا ہے جو صرف ٦ جلدوں میں ہے بارہ جلدوں والا نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو بیس جلدوں میں دار ابن کثیر بیروت سے چھپا ہے اور محشی ہے، بارہ جلدوں والا جو پہلے چھپا تھا وہ نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

۳۔ بعض نایاب یا کمیاب کتابوں کے حوالے انٹرنیٹ سے حاصل کر کے دیئے گئے ہیں بالخصوص امام غزالی کا رد وغیرہ۔

ہم نے بحث کا آغاز بخاری شریف کی ایک روایت سے کیا ہے، حالانکہ واقعہ کی ابتداء قاعدے کے موافق اس سے نہیں ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ وہ روایت اس بحث میں نہایت اہمیت کی حامل ہے اس لئے آغاز اسی سے کر دیا ہے۔ قارئین کرام سے اس کے لئے معذرت چاہوں گا۔

عن نافع قال: لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال: انی سمعت النبی ﷺ يقول: ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان يبايع رجل على بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال وانی لا اعلم احدا منكم خلعه ولا تابع فی هذا الامر الا كانت الفيصل بينی وبينه (بخاری ج۲ ص ۱۰۵۳ باب اذا قال عند قوم شيئا ثم خرج فقال بخلافه) ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاص لوگوں اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر غدار کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا اور ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ ورسول کے نام پر بیعت کی ہے، اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ ورسول کے نام بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف جنگ وقتال بھی

کیا جائے، اس لئے میں تم سب میں سے کسی شخص کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا کہ وہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملے میں کسی اور کی بیعت کرے ورنہ یہ بات اس کے اور میرے درمیان جدائی کا باعث ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وکان السبب فیہ ماذکرہ الطبری مسنداً ان یزید بن معاویۃ کان امر علی المدینۃ ابن عمہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان فاوفد الی یزید جماعۃ من اھل المدینۃ منھم عبداللہ بن غسیل الملائکۃ حنظلہ ابن ابی عامر وعبداللہ بن ابی عمرو بن حفص المخزومی فی آخرین فاکرمھم واجازھم فرجعوا فاظھروا علیہ ونسبوہ الی شرب الخمر وغیر ذلک (فتح الباری ج۱۳ص۷۰مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند) ترجمہ: اس بیعت توڑنے کا سبب وہ ہے جو علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے چچیرے بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا جس میں عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے، تو یزید نے ان کا اعزاز واکرام کیا اور انعامات سے نوازا لیکن جب یہ لوگ لوٹ کر واپس مدینہ پہنچے تو انہوں نے یزید کے عیوب بیان کئے اور اس کو شرابی بتایا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں بیان کی۔

اس جگہ دو باتیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے:

(۱) علامہ محمد بن جریر طبری نے اس روایت کی جو سند بیان کی ہے اس میں ایک راوی ابو مخنف ہے جس کا اصل نام لوط بن یحی ہے۔ اور یہ غیر معتبر و متہم راوی ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی فرماتے ہیں، شیعی محترق یہ جلا بھنا شیعہ ہے؛ لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی؛ بلکہ خاموشی سے گذر گئے جو روایت کے قبول کی علامت ہے، اگر چہ اس طرح کے راوی پر خاموشی اختیار کرنا ابن حجرؒ کے شایان شان نہیں؛ لیکن یہاں اصل بات یہ ہے کہ اگر چہ اس سند میں ایک غلط اور غیر ثقہ راوی ہے؛ لیکن جو بات اس غیر معتبر وشیعہ راوی نے بیان کی ہے یہ بات دوسرے معتبر وثقہ راوی بھی بیان کرتے ہیں، اس لئے روایت معتبر ہوگی، پھر یہ راوی ۱۷۰ھ سے پہلے انتقال کر گیا تھا اور ۲ صدی ہجری سے پہلے جو شیعہ گذرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے، محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایات کو قبول فرمایا ہے، ابان بن تغلب کوفی نام کے ایک راوی جن سے مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت لی ہے اور کئی محدثین نے انہیں غالی شیعہ لکھا ہے ان کے متعلق خود علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وھو من اھل الصدق فی الروایات وان کان مذھبہ مذھب الشیعۃ وھو فی الروایۃ صالح لابأس بہ، قلت ھذا قول منصف، فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیا کان مصیبا فی حروبہ وان مخالفہ مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما، وربما اعتقد بعضھم ان علیا افضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ، واذا کان معتقد ذلک ورعا دینا صادقا مجتھدا فلا ترد روایتہ بھذا لاسیما ان کان غیر داعیۃ، واما التشیع فی عرف المتأخرین فھو الرفض المحض، فلا تقبل روایۃ الرافضی ولا کرامۃ (تھذیب

التہذیب ج۱ص۹۳ ترجمہ ابان بن تغلب الکوفی) ابان بن تغلب جس کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے کہ اس کی روایت قبول کی جائے گی تو ابو مخنف لوط بن یحیی جس کی وفات ۱۷۰ھ سے بھی کچھ قبل ہوئی ہے اس کی روایت کیوں قبول نہ کیجا ئیگی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے۔

شیعہ اور رافضی میں فرق ہے، متقدمین کے عرف میں شیعہ اس شخص کو کہا جاتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضلیت دے اور جنگوں میں حضرت علیؓ کو مصیب اور ان کے مخالفین کو خطاوار سمجھے، حالانکہ وہ حضرات شیخین یعنی صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی تقدمی فضیلت کا قائل ہوتا تھا، اور کبھی ایسے شخص کو بھی شیعہ میں شمار کیا جاتا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ کو افضل الخلائق سمجھتا ہو؛ لیکن ایسا عقیدہ رکھنے کے بعد بھی اگر وہ صادق القول اور دیندار و پرہیز گار ہوتا تو صرف اس اعتقاد کی بنیاد پر اس کی روایت رد نہیں کی جاتی تھی بالخصوص جبکہ وہ اپنے عقیدہ کی طرف دعوت بھی نہ دیتا ہو؛ لیکن متأخرین کے عرف میں خالص رافضی پر شیعہ کا اطلاق ہونے لگا اس لئے اب رفض بمعنی تشیع ہوگیا، اور اس رفض کی بالکل گنجائش نہیں؛ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے یہ روایت صرف اس بنیاد پر قبول نہیں کی بلکہ اس کے اور بھی طرق اور مؤیدات ہیں جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

دوسری بات اس جگہ یہ بھی دھیان میں رہنی چاہئے کہ یزید بن معاویہ جب رجب ۶۰ھ میں خلیفہ ہوا اس وقت اس کی عمر چونتیس ۳۴ سال تھی اور اس سال اس نے اپنے والد کے مقرر کردہ امراء وعمال میں کوئی تبدیلی نہیں کی؛ بلکہ انہیں باقی رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **فاقر نواب ابیه علی الاقالیم ولم یعزل احدا منهم وهذا من ذکاوته** (البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۱۳) البتہ ایک سال بعد اس نے تبدیلیاں شروع کیں اور ۶۱ھ و ۶۲ھ میں سجستان وخراسان سے عباد وعبدالرحمن دونوں بھائیوں کو معزول کر کے ان کی جگہ مسلم بن زیاد کو دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **ففیها ولی یزید بن معاویه مسلم بن زیاد سجستان وخراسان حین وفد علیه وله من العمر اربع وعشرون سنة وعزل عنها اخویه عباد وعبدالرحمن** (البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۹۶) سن ۶۱ھ میں یزید نے سجستان اور خراسان سے عباد اور عبدالرحمن دونوں بھائیوں کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ مسلم بن زیاد کو والی بنایا جبکہ مسلم بن زیاد کی عمر اس وقت صرف چوبیس ۲۴ سال تھی۔ یہی بات علامہ ابن اثیر جزریؒ نے لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو: الکامل لابن اثیر ج۱ص ۶۳۴)

اس کے بعد پھر ۶۲ ہجری میں یزید نے مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو معزول کر کے اس کی جگہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا والی مقرر کر دیا اور واقعۂ حرہ کے وقت یہی مدینہ کا والی تھا، یہ ناتجربہ کار اور نوعمر بھی تھا، ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۳۰۳ پر اور ابن اثیر جزریؒ اپنی تاریخ الکامل ج۱ص ۶۳۴ پر لکھتے ہیں: **فعزل یزید الولید وولی عثمان بن محمد بن ابی سفیان وهو فتی غر حدث لم یجرب الامور** یعنی ۶۲ھ میں یزید نے مدینہ سے ولید بن عتبہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عثمان بن محمد کو مدینہ کا والی بنا دیا اور وہ بالکل نوعمر جوان بچہ تھا جسے امارت کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے محمد بن جریر طبری کے حوالے سے نقل کی ہے اور یہی بات حافظ ابن کثیر اور علامہ ابن اثیر لکھ رہے ہیں؛ لیکن محدث جلیل، محقق کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی علیہ الرحمہ نے نہ معلوم کہاں سے اس کے برخلاف لکھ دیا کہ بعض تاریخی بیانات کی بنا پر کسی کو شبہ ہوسکتا ہے

کہ اس نے ولید بن عتبہ کو ولایت مدینہ سے معزول کر دیا تھا؛ لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا (دیکھو: ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵۔ تبصرہ بر شہید کربلا و یزید صفحہ ۳۲) مولاناؒ نے یہ نہیں بتایا کہ ۶۲ھ سے پہلے دوبارہ والی بنا دیا تھا یا اس کے بعد، اور میرا دعوی ۶۲ھ کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے۔ مولانا اعظمیؒ نے مزید یہ بھی لکھ دیا کہ بہر حال اپنے والد کے کسی والی کو یزید نے بالکلیہ معزول نہیں کیا۔ یہ بات بھی مولانا مرحوم کی بالکل خلاف تحقیق ہے، صرف اتنا ہی لکھا ہوتا تو بھی غلط تھا؛ لیکن مزید ستم یہ فرمادیا کہ قاری محمد طیب صاحبؒ کو الٹا یہ الزام بھی دے ڈالا کہ اگر مہتمم صاحب کے علم میں اس کے خلاف ایک بھی تاریخی شہادت موجود ہو تو ہم کو اس بیان سے رجوع کرنے میں مطلق تأمل نہیں ہوگا؛ لیکن محض تخرص اور حدف سے بلا ثبوت و بے حوالہ مہتمم صاحب یا ان سے بھی بڑے کسی عالم کا یہ کہہ دینا کہ یزید عموماً شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو نامزد کرتا تھا انصاف کی رو سے قابل قبول نہیں، مہتمم صاحب کو سوچنا چاہئے تھا کہ یزید فاسق سہی مگر مسلمان تھا کافر نہیں تھا، اور کافر بھی ہوتا تو یہ کس طرح جائز تھا کہ بے سروپا الزامات اس کے سر تھوپے جائیں۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۳۳)

سطور بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابن کثیر، علامہ طبری، ابن اثیر جزریؒ نے لکھا ہے کہ یزید نے ناتجربہ کاروں اور کم عمر نوجوانوں کو مدینہ منورہ اور خراسان و سجستان کا والی بنایا تھا اور واقعۂ حرہ کے وقت بھی مدینہ کا والی عثمان بن محمد کو بنا رکھا تھا۔ یہ تینوں باتیں ایک سے زیادہ تاریخی حوالوں سے ثابت کر دی گئی ہیں۔

محدث جلیل مولانا حبیب الرحمنؒ نے ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵ کے حوالے سے جو غلط بات لکھی ہے افسوس کہ انہوں نے ابن اثیر کی عبارت نقل نہیں فرمائی جس کی وجہ سے یہ لکھنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے عالم، محدث اور محقق کیلئے ایسی غلط بات ان کی شان کے خلاف ہے۔

ولید بن عتبہ کا معزول ہونا تو معلوم اور متفق علیہ ہے، واقعۂ حرہ تک مدینہ کا والی عثمان بن محمد تھا۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: سنة ثلاث وستين ذكر وقعة الحرة، كان اول وقعة الحرة ماتقدم من خلع يزيد فلما كان هذه السنة اخرج اهل المدينة عثمان بن محمد عامل يزيد وحصروا بني امية بعد بيعتهم عبدالله بن حنظلة (ابن اثیر ج ۱ ص ۶۳۷۔ و ج ۴ ص ۱۱۲ قدیم) ترجمہ: سن ۶۳ ھجری اور واقعۂ حرہ کا تذکرہ، واقعۂ حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گذرا یزید کی بیعت توڑنے سے ہوئی جب یہ سال شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا اور بنو امیہ کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے یہ سب کچھ عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد کیا۔

اس بیان سے صاف طریقہ سے واضح ہے کہ ابن اثیرؒ کے نزدیک اس سال تک مدینہ کا والی عثمان بن محمد تھا، اور ظاہر ہے کہ دوبارہ ولید بن عتبہ کو مدینہ کا عامل بنایا ہوگا تو اس کے بعد ہی بنایا ہوگا؛ کیونکہ ذی الحجہ ۶۳ھ میں واقعۂ حرہ پیش آیا ہے اور ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہو جاتا ہے، واقعۂ حرہ اور وفات یزید کے درمیان کل تین مہینے کا وقفہ ہے، ان تین مہینوں کے اندر ولید بن عتبہ کے دوبارہ مدینہ کا والی بنائے جانے کو ابن اثیر کے حوالے سے نقل کرنا سہواً ہی ممکن ہے ورنہ ابن اثیر جلد ۴ اور صفحے کا حوالہ دیکر نقل کرنا صرف اور صرف ایک غلطی نہیں؛ بلکہ ابن اثیر پر تہمت اور علمی دنیا کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ ۶۴ھ کے بیان میں ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: وفي هذه السنة توفي يزيد بن معاوية بحوارين من ارض الشام لاربع عشرة خلت من شهر ربيع

الاول وھوابن ثمان وثلاثین سنة فی قول بعضھم وقیل تسع وثلاثین وکانت ولایته ثلاث سنین وستة اشھر وقیل توفی فی ربیع الاول سنة ثلاث وستین وکان عمرہ خمسا وثلاثین سنة وکانت خلافته بسنتین وثمانیة اشھر ،والاول اصح۔(ابن اثیر ج۱ص۱۴۱) ترجمہ: اسی سال ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی حوارین نامی شام کے ایک گاؤں میں ۱۴ / ربیع الاول کوجبکہ وہ بقول بعض اڑتیس سال کا تھااور ایک قول یہ بھی ہے کہ انتالیس سال کا تھا،اوراس کی حکومت ساڑھے تین سال کی ہوئی اورایک قول یہ ہے کہ اس کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی جبکہ اس کی عمر پینتیس سال تھی اوراس کی حکومت دوسال آٹھ ماہ رہی ؛لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔پس ابن حجر علیہ الرحمۃ کا یہ بیان کہ مدینہ کا وفدعثان بن محمد نے بھیجا اورحرہ کا واقعہ بھی اسی کے زمانۂ ولایت میں پیش آیا بالکل صحیح ہےاورابن اثیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اب آگے یہ بھی پڑھ لیجئے کہ یزید کے شراب پینے کا واقعہ صرف طبری یا صرف ایک سند سے ثابت نہیں ؛ بلکہ اس کا ثبوت متعدد سندوں سے ہے،اور یہ واقعہ صرف تاریخی حوالوں سے نہیں ؛ بلکہ اس کے ثبوت میں مضبوط اوراحکام کوثابت کرنے والی سندیں اورصحیح روایتیں موجود ہیں جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی ،فی الوقت گذشتہ سند کے علاوہ ایک مزید سند ملاحظہ فرمائی۔علامہ ذہبیؒ تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں:قال الواقدی انا ابن ابی ذئب عن صالح بن ابی حسان انا اسماعیل بن ابراھیم المخزومی عن ابیه ۔وحدثنا سعیدبن محمد بن عمرو بن یحی عن عبادة بن تمیم کل قدحدثنی ۔قالوا لماوثب اھل الحرة واخرجوا بنی امیة عن المدینة واجمعوا علی عبدالله بن حنظلة وبایعھم علی الموت قال یاقوم اتقوالله فوالله ماخرجنا علی یزید حتی حققنا ان ترمی بالحجارة من السماء انه رجل ینکح امھات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوة ،الخ۔(تاریخ اسلام للذھبی ج ۲ص ۳۷۳) ترجمہ: واقدی کہتے ہیں مجھکو ابن ابی ذئب نے خبر دی وہ صالح بن ابی حسان سے روایت کرتے ہیں ان کو اسماعیل بن ابراہیم مخزومی نے خبر دی وہ اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور مجھ سے سعید بن محمد بن عمرو بن یحی نے بیان کیا،وہ روایت کرتے ہیں عبادہ بن تمیم سے ہرایک نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ جب اہل حرہ بغاوت میں کود پڑے اور بنی امیہ کو مدینہ سے باہر کردیا اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر اجماعی طور پر موت کی بیعت کرلی تو عبداللہ بن حنظلہ نے فرمایا لوگو! بخدا ہم لوگ یزید کے خلاف اس وقت نکلے جبکہ ہمیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب آسمان سے پتھروں کی بارش ہونے والی ہے؛ کیونکہ یہ آدمی (یزید) ام ولداورام ولد کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہےاورشراب پیتا ہے اورنمازیں چھوڑتا ہے۔

اس جگہ یہ بات یادرہنی چاہئے کہ عبداللہ بن حنظلہ صحابی ہیں اور وہ یزید کے بارے میں شراب خوری ودیگر حرامکاریوں کی خبر دے رہے ہیں اور صحابی جھوٹ یا بغیر تحقیق کی بات نہیں کرسکتا۔

اب اس روایت کی سند دیکھئے!اس کی دوسندیں ہیں،پہلی سند کے رواۃ کی توثیق ملاحظہ فرمائیں!

محمدبن عبدالرحمن بن مغیرہ بن الحارث ابن ابی ذئب ثقة (تہذیب التہذیب ج۵ص۱۹۵)

صالح بن ابی حسان ثقة (تہذیب التہذیب ج۲ص۵۲۸)

اسماعیل بن ابراھیم مخزومی ثقة (تہذیب التہذیب ج۱ص۹۱)

ابراہیم بن عبدالرحمن مخزومی؛ بخاری کے راویوں میں سے ہیں اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۱ص۹۱)

دوسری سند

سعید بن محمد درحقیقت عمرو بن یحیی بن عمارۃ الانطاری المازنی المدنی ثقۃ (تہذیب التہذیب ج۴ص ۳۹۲)

عبادۃ بن تمیم یہ غلط ہے صحیح نام عباد بن تمیم ہے، (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۳ص ۶۲ و ۶۳ اور تاریخ اسلام ج ۲ص ۱۶۱) بخاری میں دوجگہ یہ سند موجود ہے، جلد اول صفحہ ۴۱۵، اور جلد دوم صفحہ ۵۹۹، اور دونوں میں عمرو بن یحیی عن عباد بن تمیم ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ یہ گفتگو دوسری سند سے متعلق تھی، پہلی سند میں کوئی کلام کی گنجائش نہیں وہ بالکل بے غبار ہے، البتہ محمد بن عمرو واقدی جنہوں نے یہ سند نقل کی اس میں کلام ہے مگر حافظ ذہبیؒ نے انہیں زیادہ سے زیادہ ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وقد تقرر ان الواقدی ضعیف....ان وزنه عندی انه مع ضعفه یکتب حدیثه ویروی لانی لا اتهمه بالوضع وقول من اهدره مجازفة من بعض الوجوه کما ان لاعبرة بتوثیق من وثقه .....اذ قد انعقد الاجماع الیوم انه لیس بحجة فان حدیثه فی عداد الواهی (سیر اعلام النبلاء ج ۶ص ۵۵۰) ترجمہ: اور یہ بات طے ہوچکی ہے کہ واقدی ضعیف ہے، میرے نزدیک اس کا وزن یہ ہے کہ ضعف کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی؛ کیونکہ میں اسے متہم بالوضع نہیں سمجھتا، اور جنہوں نے اس کی بات کو بالکل غلط اور بیکار ٹھہرایا ہے ان کی بات میں اٹکل پنا اور مجازفت ہے جیسا کہ ان لوگوں کی توثیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو اسے ثقہ قرار دے گئے، آج اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ واقدی حجت نہیں اور اس کی روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوگی۔

واقدی کے بارے میں قریب قریب یہی فیصلہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی کیا ہے۔ تہذیب التہذیب ج۵ص ۲۳۲ (جاری)

عظمتِ دیوبند

اس میں نہیں کلام کہ دیوبند کا وجود — ہندوستاں کے سر پہ ہے احسان مصطفےٰ

گونجا ہے چار کھونٹ نانوتوی کا نام — بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفےٰ

(قسط اول)

موضوع وضعیف احادیث کی نشر واشاعت میں علماء غیر مقلدین کا شرمناک کردار

ابو حنظلہ عبد الاحد قاسمی

یوں تو علماء غیر مقلدین دن رات صحیح کے ورد کرتے اور دوسروں کو ضعیف احادیث پر عمل کے طعنے دیتے نہیں تھکتے ؛لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنے مسلک کی تقویت کیلئے نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ تقریر وتحریر کے ذریعہ جس کثرت کے ساتھ ضعیف وموضوع روایات غیر مقلدین علماء نے عوام میں پھیلائی ہیں دوسری جماعتوں میں اس کی نظیر شاید و باید ہی مل سکے۔

ہم اس تحریر میں سلسلہ وار نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت غیر مقلدین کے اس گھناؤنے وشرمناک کردار کے نمونے پیش کریں گے۔ان شاء اللہ

مسئلہ وَضْعُ الْیَدَیْنِ عَلَی الصَّدْرِ (سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ)

نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر باندھے جائیں یا نیچے؟ اس مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف ہے، محققین علماء کا ایک گروہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کا قائل ہے جبکہ دوسرا گروہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا، دونوں فریق نے اپنے اپنے مذہب پر مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے اور بغیر کسی تشدد یا تعصب کے اپنے فریق کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے؛لیکن چودھویں اور پندرھویں صدی میں غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں نہایت تشدد اور غلو کا مظاہرہ کیا اور اپنے مسلک کی حمایت میں ہر مخالف روایت کو (خواہ وہ روایت صحیح یا حسن ہی کیوں نہ ہو) نہایت بے دردی سے شہید کرنے کی کوشش کی جبکہ خود ایسی کمزور و باطل روایات سے استدلال کیا کہ عہد سابق میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی پیش کی گئی روایات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) شدید ضعیف، موضوع یا موضوع کے قریب روایات۔

(۲) ضعیف روایات۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان بیچاروں کے پاس ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ؛اس لئے اگر یہ حضرات صرف ضعیف روایات سے استدلال کرتے تو بھی تسامح کی گنجائش تھی ؛لیکن افسوس بالائے افسوس کہ انہوں نے موضوع روایات بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا، اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قال علی مالم اقل فلیتبؤ مقعدہ من النار (مسلم) کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے۔

(۱) شدید ضعیف وموضوع روایات

(۱) محمد بن حجر الحضرمی حدثنا سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن امہ عن

وائل بن حجر قال حضرت رسول الله ﷺ اذا او حين نهض الى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على يسراه على صدره (سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۳۰) ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں خدمت اقدس ﷺ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ محراب میں داخل ہوئے پھر تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لیا۔ (سنن کبری بیہقی)

قارئین کرام! درج بالا سے روایت سے بڑے بڑے نامور غیر مقلدین علماء نے استدلال کیا ہے اور نہایت دھڑلے کے ساتھ اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، بعض ناخداترسوں نے تو اسے صحیح بتانے کی جرأت بھی کرڈالی، جبکہ اس روایت کی اسنادی پوزیشن یہ ہے کہ یہ شدید ضعیف اور موضوع کے قریب ہے، جس کی مختلف وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن حجر الحضرمی سخت ضعیف، منکرالحدیث بلکہ وضع حدیث سے متہم ہے، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: له مناكير اس کے پاس منکر روایات ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فيه بعض النظر اس میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے (میزان الاعتدال)۔ امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: لايجوز الاحتجاج به اس راوی سے دلیل پکڑنا جائز نہیں (الضعفاء والمتروكون لابن الجوزی ج۳ص۴۹) دراصل اس راوی کے پاس اس کے چچا سعید بن عبدالجبار کی طرف منسوب ایک نسخہ تھا جس سے یاد کرکے یہ حدیثیں سنایا کرتا تھا، اُس نسخے کے بارے میں امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: يروي عن عمه سعيد بن عبدالجبار عن ابيه وائل بن حجر بنسخة منكرة فيها اشياء لها اصول من حديث وائل بن حجر مختصرة جاء بها على التقصي وافرط فيها و منها اشياء موضوعة ليس يشبه كلام رسول الله ﷺ لايجوز الاحتجاج به (المجروحین لابن حبان ج۲ص۲۸۴) ترجمہ: محمد بن حجر اپنے چچا سعيد بن عبدالجبار عن ابيه وائل بن حجر کی سند سے ایک منکر نسخے کی بنیاد پر حدیثیں بیان کرتا ہے، اس نسخے میں حضرت وائل بن حجرؓ کی کچھ روایتیں تو ایسی ہیں کہ جو اصل کے اعتبار سے مختصر ہیں؛ لیکن یہ انہیں خوب بسط وتفصیل اور افراط وتفریط کے ساتھ خوب لمبی چوڑی کرکے بیان کرتا ہے، اور بہت سی باتیں اس نسخے میں موضوع ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان عالی سے بالکل میل نہیں کھاتی، اس لئے اس راوی سے احتجاج جائز نہیں۔

جب اس کا نسخہ منکرات اور موضوعات سے پُر ہے تو پھر اس نسخے کی روایات کیونکر قابل اعتبار واستدلال ہوسکتی ہیں؟ لہٰذا اس کی روایت ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کی ایک یہی وجہ کافی تھی؛ لیکن افسوس اس کے علاوہ بھی متعدد خرابیاں اس روایت میں موجود ہیں۔

دوسری وجہ: محمد بن حجر کا استاد سعید بن عبدالجبار بھی ضعیف و کمزور راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فيه نظر (تاریخ کبیر ج۳ص۴۹۵) یہ بھی خیال رہے کہ امام بخاریؒ جرح کے معاملے میں نہایت نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں اس لئے بخاریؒ کی فيه نظر کی جرح محدثین کے یہاں شدید جرح سمجھی گئی ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں: ليس بالقوي یہ راوی مضبوط نہیں (الضعفاء للنسائی ص۱۲۵) امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ضعيف یہ راوی ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب)

تیسری وجہ: ام عبدالجبار مجہول راویہ ہے، امام ابن الترکمانیؒ فرماتے ہیں: **وام عبدالجبار ھی ام یحی لم اعرف اسمھا ولاحالھا** ۔ (الجوھر النقی علی البیہقی ج۲ص۳۰)

معلوم ہوا کہ اس روایت میں صرف ایک خرابی نہیں؛ بلکہ یہ روایت خرابیوں کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ زبیرعلی زئی جیسا متشدد ومتعصب غیر مقلد عالم بھی اس روایت پر خاموش نہیں رہ سکا اور صاف لکھ گیا کہ: ”یہ روایت سخت ضعیف ہے محمد بن حجر کی روایتیں منکر ہیں، ام عبدالجبار کی توثیق معلوم نہیں اور سعید بن عبدالجبار بھی مجروح ہے“ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۲۴)

(۲) **اخبرنا أبوزکریابن ابی اسحق ،انبأالحسن بن یعقوب البخاری، أنبأ یحی بن ابی طالب، أنبأ زیدبن الحباب، ثنا روح بن المسیب، قال حدثنی عمرو بن مالک النکری، عن ابی الجوزاء، عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی قول اللہ عزوجل (فصل لربك وانحر) قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ عندالنحر** (سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۳۱) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اللہ کے فرمان **فصل لربك وانحر** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نحر کے قریب (سینے پر) رکھنا چاہئے۔ (سنن کبری بیہقی)

بیشمار غیر مقلدین نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس روایت سے استدلال کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے:

پہلی وجہ: اس کی سند میں **روح بن المسیب** راوی متروک اور وضع حدیث کا ملزم ہے، امام ابن حبانؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **کان روح ممن یروی عن الثقات الموضوعات ویقلب الاسانید ویرفع الموقوفات.....لاتحل الروایۃ عنہ ولا کتابۃ حدیثہ** (المجروحین لابن حبان ج۱ص۳۰۰) ترجمہ: یہ روح وہ آدمی ہے جوثقہ راویوں کے نام سے موضوع روایات بیان کرتا ہے، اور سندوں کو بدل دیتا ہے اور موقوف کومرفوع بنادیتا ہے۔۔۔اس سے نہ تو روایت نقل کرنا جائز ہے اور نہ اسکی بیان کی ہوئی حدیثیں لکھنا جائز ہے۔

امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: **احادیثہ غیر محفوظۃ** اس کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں (الکامل فی الضعفاء ج ۳ص ۵۸) امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: **صالح لیس بالقوی** نیک آدمی ہے؛ لیکن حدیث میں مضبوط نہیں (الجرح والتعدیل ج۳ص ۴۹۶) امام ابن جوزیؒ اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج۱ص ۲۵۲،الضعفاء والمتروکون لابن جوزی ج۱ص۲۸۹)

دوسری وجہ: اس روایت میں روح کے شاگرد **عمروبن مالک النکری** بھی اپنے استاد سے کم نہیں۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: **عمروبن مالک النکری منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث** عمروبن مالک نکری ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے اور دوسروں کی حدیثیں چرا کر بیان کرتا ہے (الکامل لابن عدی ج ۶ص۲۵۸) امام ابویعلی موصلیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن جوزیؒ نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے (الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی ج۲ص۲۳۱) اگر چہ ابن حبان نے اس راوی کو ثقات میں ذکر کیا ہے؛ لیکن ابن حبان کی اس توثیق کے متعلق مشہور غیر مقلد محدث ناصرالدین البانیؒ فرماتے ہیں: **لم یوثقہ غیرابن حبان وھومتساھل فی التوثیق حتی انہ لیوثق المجھولین عندالائمۃ النقاد ،فالقلب لایطمئن**

لما تفرد بتوثيقه ولاسيما انه قد قال هو نفسه فی مالك هذا يعتبر حديثه من غير رواية ابنه يحی عنه ،يخطئ ويغرب،فاذا كان من شانه ان يخطئ وياتی بالغرائب فالاحری به ان لا يحتج بحديثه الا اذا توبع عليه لكی نامن خطاه (معجم الرواة ترجم لهم الالبانی ج۳ص ۳۲۴-۳۲۵)
ترجمہ: ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی عمرو بن مالک کی توثیق نہیں کی اور ابن حبان توثیق کے معاملے میں متساہل ہیں، حتی کہ بسا اوقات ایسے راویوں کی بھی توثیق کر بیٹھتے ہیں جو نقد وجرح کے ماہرین اماموں کے نزدیک مجہول سمجھے جاتے ہیں، اس لئے تنہا ابن حبان کی توثیق پر دل مطمئن نہیں ہوتا اور خاص طور سے اس وقت جبکہ ابن حبان خود اسی عمرو بن مالک کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ اس کے بیٹے یحی کی روایت کے علاوہ اس کی حدیثیں اعتبار کے لائق ہیں، یہ خطا کرتا ہے اور عجائبات بیان کرتا ہے۔تو جب اس کی یہ حالت ہے کہ یہ غلطیاں بھی کرتا ہے اور عجیب وغریب قسم کی روایتیں بھی بیان کرتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس کی حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے مگر جب اس کی متابعت ہو جائے، تاکہ اس کے اغلاط سے ہم محفوظ رہ سکیں۔

تیسری وجہ: اس روایت کی سند میں ایک راوی یحی بن ابی طالب بھی متکلم فیہ ہیں، ان کے بارے میں امام موسی بن ھارونؒ فرماتے ہیں: اشهد انه يكذب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے، ابوعبید آجری فرماتے ہیں: خط ابو داؤد علی حديثه امام ابوداؤدؒ نے اس کی حدیثوں پر قلم پھیر دیا تھا۔(میزان الاعتدال)

(۳) حدثنی احمد بن يوسف ،ثنا بحر بن نصر ،ثنا عافية بن ايوب، عن سعيد بن عبدالعزيز عن ابی عثمان النهدی عن سلمان الفارسی انه حدثه قال فی رواية طويل فيها ۔قام عيسى عليه السلام فالقى الصوف عنه ،ولبس الشعر والتحف ، ووضع يمينه على شماله ووضعها على صدره الخ۔وقال ابن ابی حاتم : اخبرنا جعفر بن علی فيما كتب الی،ثنا اسماعيل بن ابی اويس ،حدثنی عبدالقدوس بن ابراهيم الصنعانی عن ابراهيم بن عمر عن وهب بن منبه عن ابی عثمان النهدی عن سلمان نحوه (الغيلانيات للحافظ ابی بكر الشافعی ج ۲ص ۱۳۱، تفسير ابن ابی حاتم ج ۴ص ۱۲۴۶،العظمة لابی الشيخ ص ۱۵۳۴، تفسير ابن كثير ج۲ص ۱۶۳، الدر المنثور ج ۵ص ۵۹۴،تاريخ ابن عساكر ۴۷/۴۰۴) ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ (جب بنی اسرائیل نے آسمان سے مائدہ اتارنے کی احمقانہ فرمائش کی اور حضرت عیسیؑ کی فہمائش کے باوجود بھی باز نہیں آئے تو) حضرت عیسیؑ نے اونی لباس اتار کر رکھ دیا اور جبہ پہن کر بارگاہ رب ذوالجلال میں (دعا کیلئے) نہایت عاجزی وخشوع کے ساتھ اس طرح کھڑے ہوئے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھے ہوئے تھے الخ۔

بعض غیر مقلدین نے اس روایت کو بھی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید میں پیش کیا ہے، جبکہ اس جیسی روایات سے استدلال وہی کر سکتا ہے جو علم وعقل دونوں سے خالی ہو؛ کیونکہ اولاً تو اس کی دونوں سندیں ضعیف اور مجہول راویوں سے پُر ہیں۔

پہلی سند میں احمد بن یوسف مجہول ہیں اور عافیہ بن ایوب مجہول ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے، امام ذہبیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: تكلم فيه ماهو بحجة وفيه جهالة اس راوی میں کلام ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا نیز اس میں جہالت بھی ہے۔(میزان الاعتدال)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: عافیہ مجہول ہے اور ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: یہ ضعیف ہے۔ (لسان المیزان ج۳ص ۳۰۵) نیز اس سند میں انقطاع بھی ہے؛ کیونکہ سعید بن عبدالعزیز کا ابوعثمان نہدی سے سماع ثابت نہیں، ابوعثمان نہدی ۹۵ھ میں بصرہ میں وفات پا گئے تھے جبکہ اس وقت سعید دمشق میں صرف پانچ سال کے بچے تھے۔

دوسری سند میں **عبدالقدوس بن ابراھیم صنعانی** مجہول ہیں اور **جعفر بن علی بن آدك الخواری** کی اگرچہ ابن ابی حاتم نے توثیق کی ہے؛ لیکن یہ ان کا تفرد ہے، دوسرے ائمہ نقد و رجال میں کسی نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اس لئے یہ بھی مجہول ہیں۔

دراصل جعفر بن علی نے ابن ابی حاتم کو ایک نسخہ بھیجا تھا جس سے انہیں تفسیر میں بہت مدد ملی اور اس نسخے سے بہت سی روایتیں بیان کی، یہ روایت بھی اسی نسخے کی ہے، عین ممکن ہے کہ اس احسان کے صلے میں ابن ابی حاتم جعفر کی توثیق کر گذرے ہوں۔ **واللہ اعلم**۔ امام قرطبیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **فی ھذا الحدیث مقال ولا یصح من قبل اسنادہ** اس حدیث میں کلام ہے اور یہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (تفسیر قرطبی ج۸ ص ۲۹۵)

سند کی بیشمار خرابیوں کے ساتھ یہ روایت متن کے اعتبار سے بھی نہایت مشکوک ہے؛ کیونکہ اس میں بنی اسرائیل پر مائدہ کے نزول سے قبل و بعد کے عجیب و غریب حالات و واقعات جس بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں وہ اس بات کا پختہ قرینہ ہیں کہ یہ کسی اسرائیلی دماغ کا شاخسانہ ہے، اسی لئے امام ابن کثیرؒ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **ھذا اثر غریب جدا** یہ اثر بہت ہی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ (تفسیر ج۲ ص ۱۶۴) اور چونکہ حضرت سلمان فارسیؓ اسلام لانے سے قبل عرصۂ دراز تک یہود و نصاری کے ساتھ رہے اس لئے۔ بشرط صحت۔ شاید کسی موقع پر انہیں کے بیان کردہ یہ واقعات نقل کر گئے ہوں، اسی لئے الغیلانیات کے محقق اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: **فی اسنادہ احمد بن یوسف البصری لم اجد من ترجمه وعافیة بن ایوب تکلموا فیه، والحدیث موقوف من قول سلمان رضی اللہ عنه، والغالب انه اخذہ عن اھل الکتاب الذین خالطھم، فھو من الاسرائیلیات، واللہ اعلم** (الغیلانیات ج۲ ص۱۳۱) ترجمہ: اس روایت کی سند میں **احمد بن یوسف بصری** ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، اور عافیہ بن ایوب متکلم فیہ ہے، اور حدیث حضرت سلمان پر موقوف ہے غالب گمان یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ نے یہ روایت ان اہل کتاب سے لی ہوگی جن کے ساتھ وہ رہے، اس لئے یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ **واللہ اعلم**۔

اس اسرائیلی روایت سے استدلال کرنے والوں کے علم پر تو ماتم ہونا ہی ہے ساتھ ساتھ انہیں اپنی عقل پر بھی ماتم کرنا چاہیئے؛ کیونکہ اس روایت میں صاف موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے نماز سے فارغ ہو کر جب کھڑے ہو کر الحاء وزاری کی اس وقت سینے پر ہاتھ رکھے (غالباً دعا کیلئے سینے تک ہاتھ اٹھائے ہوں گے، جسے بعد کے راویوں نے کچھ کا کچھ کر دیا)، عجیب بات ہے دعوی تو ہے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا اور دلیل نماز کے بعد سینے پر ہاتھ رکھنے کی؟

فیاللعجب ولضیعة العلم والعقل

ناچیز کے سامنے اس موضوع پر غیر مقلدین علماء کی لکھی ہوئی وہ کتابیں بھی ہیں جن میں انہوں نے کمال بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علامہ مجدالدین فیروزبادیؒ اور علامہ سیوطیؒ جیسے علماء کے اقوال کو بھی حدیث

رسول ﷺ کے طور پر پیش کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور اپنی عاقبت خراب کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس شرمناک حرکت پر ہم اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

(۲)ضعیف روایات

دوسری قسم ان روایات کی ہے جو موضوع تو نہیں؛ لیکن ضعیف ضرور ہیں، اس قسم کی روایات تعامل و توارث کی تائید کے ساتھ قابل استدلال ہوسکتی ہیں، اس لئے اس سلسلے میں ہم ان روایات پر تفصیلی کلام نہیں کریں گے (کسی دوسرے موقع پر تفصیلی کلام بھی ہوگا اور ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے تراشے گئے حیلوں کا بھی مکمل قلع قمع ہوگا ان شاء اللہ) فی الوقت صرف مختصر طور پر ان کا ضعف واضح کر کے غیر مقلدین کو آئینہ دکھائیں گے، کہ احناف سے ہر مسئلہ میں دلیل قطعی صحیح صریح کا مطالبہ کرنے والے خود کہاں کھڑے ہیں۔

(۱)اخبرنا ابوطاهر ،ثنا ابوبكر ،نا ابوموسى ،نا مؤمل ،نا سفيان، عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صليت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره (صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص ۲۴۳) ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے؛ کیونکہ علی صدرہ کی زیادت روایت کرنے والا صرف مؤمل بن اسمعیل ہے جو ضعیف راوی ہے اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں، ایک درجن سے زیادہ محدثین نے مؤمل کو بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا اور خراب حافظے والا قرار دیا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے! میزان الاعتدال، لسان المیزان)

متعدد غیر مقلدین علماء نے بھی اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا ہے، مثلاً ناصر الدین البانی: حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص ۲۴۳، زبیر علی زئی: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۳۷، عبد الرؤف سندھو: تخریج صلوۃ الرسول ص ۲۲۸۔

(۲)حدثنا يحى بن سعيد عن سفيان ،حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال: رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن يساره ورأيته يضع هذه على صدره ،وصف يحى اليمنى على اليسرى فوق المفصل. (مسند احمد ج۱۶ ص ۱۵۲)

یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ کیونکہ اس میں سند اور متن کے اعتبار سے بہت ساری خرابیاں ہیں۔

سند کی خرابی تو یہ ہے کہ حضرت هلب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے قبیصہ مجہول ہیں (تقریب) اور سماك بن حرب کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (میزان الاعتدال، لسان المیزان)

متن کی خرابی یہ ہے کہ يضع هذه على صدره کا جملہ مشکوک ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ اصل الفاظ يضع هذه على هذه تھے جو بدل کر على صدره کر دیئے گئے، اس تحریف پر بیشمار داخلی و خارجی قرائن موجود ہیں جو کسی اور موقع پر مفصل بیان کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ (ناچیز نے اس جملے کے محرف ہونے پر بیس سے زیادہ داخلی و خارجی قرائن جمع کئے ہیں) نیز اس روایت میں نماز کا بھی کوئی ذکر نہیں اور صرف ایک ہاتھ سینے پر رکھنے کا تذکرہ

ہے دونوں نہیں، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

(۳) حدثنا ابو توبة، ثنا الهيثم يعني حميد، عن ثور عن سليمان بن موسى عن طاؤس قال: كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره وهو في الصلوة (مراسیل ابی داؤد)

یہ روایت بھی ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً: یہ روایت مرسل ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ جس میں غیر مقلدین بھی شامل ہیں کہ صحیح موصول کے مقابلے ضعیف مرسل تو کجا صحیح مرسل بھی قابل قبول نہیں، بالخصوص غیر مقلدین کے یہاں تو ہر قسم کی مرسل ضعیف شمار ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی سند میں سلیمان بن موسی اشدق ضعیف راوی ہے، دو درجن سے زیادہ محدثین نے اس راوی پر جرح کی ہے (جس کی تفصیل عنقریب ہی کسی موقع پر پیش کیجائیگی، ان شاء اللہ) خلاصہ یہ کہ یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے۔

(۴) قال موسى، حدثنا حماد بن سلمة، سمع عاصما الجحدري عن ابيه عن عقبة بن ظبيان، عن علي رضی اللہ عنہ: "فصل لربك وانحر" وضع يده اليمنى على وسط ساعده على صدره (تاریخ الکبیر للبخاری ج۶ص۴۳۷، سنن بیہقی ج۲ص۳۰، تفسیر طبری ج۲۴ص۶۹۱)

یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہے اور مضطرب بھی۔ ضعیف اس لئے کہ سند میں عاصم جحدری کے والد عجاج جحدری مجہول ہیں۔ اور مضطرب اس لئے کہ عجاج جحدری اپنے استاد عقبہ کی تعیین میں سخت کشمکش کا شکار ہیں، اپنے استاد کا نام کبھی عقبہ بن ظبیان بتلاتے ہیں کبھی عقبہ بن ظہیر، کبھی عقبہ بن صہبان اور کبھی صرف عقبہ بغیر کسی نسبت کے، محولہ کتب میں یہ اختلاف صاف دیکھا جا سکتا ہے اور بعد کے محدثین بھی مسلسل اسی اختلاف کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے آئے ہیں، اس لئے یہاں عقبہ کی تعیین مشکل ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقبہ بن ظہیر اور عقبہ بن ظبیان دونوں ایک ہیں؛ لیکن یہ صرف ظنی اور تخمینی بات ہے، حقیقت سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں اور اگر بالفرض یہ دونوں ایک ہوں تو بھی عقبہ بن صہبان تو یقیناً ان سے الگ ہیں جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ میں اور ابو حاتم نے الجرح والتعدیل میں ان کا ترجمہ الگ لکھ کر واضح کر دیا ہے؛ بلکہ امام بخاریؒ نے تو اس بات کی جانب بھی صریح اشارہ کیا ہے کہ عقبہ بن ظبیان اور عقبہ بغیر نسبت والے دونوں الگ ہیں، اور اسی کا نام اضطراب ہے، اور مضطرب ضعیف کے اقسام میں سے ہے۔ اس کے برخلاف یہی روایت صحیح سند کے ساتھ التمہید لابن عبد البرؒ ج ۲۰ ص ۷۸ پر موجود ہے اس میں نہ تو کوئی مجہول راوی ہے نہ کوئی اضطراب؛ لیکن اس میں علی صدرہ کے بجائے تحت السرۃ کے الفاظ ہیں اسی لئے غیر مقلدین مسلکی تعصب کی وجہ سے اس صحیح السند روایت کو چھوڑ کر اپنی اسی ضعیف و مضطرب روایت کو ہی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہے غیر مقلدین کے دلائل کی کل کائنات، ان تمام روایات میں ایک بھی روایت صحیح تو کجا حسن کے مرتبہ تک بھی نہیں پہنچتی، غیر مقلدین میں ماضی قریب کے سب سے زیادہ محقق سمجھے جانے والے مشہور عالم زبیر علی زئی نے ان تمام روایات کو ضعیف تسلیم کرتے ہوئے صرف ایک روایت حدیث ہلب رضی اللہ عنہ کو حسن درجہ تک

پہنچانے کی انتھک کوشش کی لیکن اس میں بھی وہ بری طرح نا کام رہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے اس لئے انہوں نے اپنے تمام اصول وضوابط بالائے طاق رکھتے ہوئے خدا کا خوف کئے بغیر دلیل کے نام پر ہر قسم کی ضعیف وموضوع گری پڑی روایات سے اپنی کتابوں کو سیاہ کیا اور اپنے مسلک کی حمایت کیلئے عوام میں ضعیف وموضوع روایات کے چلن کو عام کرنے میں شرمناک کردار ادا کیا۔

(جاری)

کیا علمائے دیوبند "وہابی" ہیں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے:۔

"ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور "وہابی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں"۔ (ملفوظاتِ حکیم الامت جلد ۴ صفحہ ۵۱ / ملفوظ نمبر ۵۵)

"ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو بدعتی لوگ "وہابی" کہتے ہیں، نہ معلوم یہ نسبت کہاں سے تراشی؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟" (ملفوظاتِ حکیم الامت جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ / ملفوظ نمبر ۲۳۸)

"ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معلوم نہیں یہ بدعتی لوگ ہم کو "وہابی" کیسے کہتے ہیں؟ اول تو وہ بدنام شخص عبدالوہاب نہیں خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کیا، وہ محمد بن عبدالوہاب ہے جس نے تشدد سے کام لیا ہے اور جتنا اس کو بدنام کیا ہے وہ بھی اُس درجہ کا نہیں، پھر قطع نظر اِس سے ہمارے عقائد بھی تو ان جیسے نہیں، اگر کوئی کہے کہ بعض تو ہیں؟ سو بعض تو تمہارے بھی ہیں مثلاً محمد بن عبدالوہاب اسلام کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو، وہ رسالت کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو تو اس سے کیا نقصان ہوا؟ اور بہت سے مسائل میں ہم کو اُن سے سخت اختلاف بھی تو ہے، تو ہم اُن کے متبع کیسے ہوئے؟ مثلاً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک پر قصداً جانے کو حرام کہتے ہیں ہم مستحب: بلکہ مؤکد کہتے ہیں، اور ہمارے بعض علماء کا وجوب تک خیال ہے، تو پھر ہم وہابی کیسے ہوئے؟ اگر محض اس وجہ سے وہابی سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کو گالیاں نہیں دیتے تو حضرت رابعہ تو شیطان پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہ کرتی تھیں، اور یہ گالیاں اور تبرا تو رافضیوں کا مذہب ہے (ہم) اہل سنت والجماعت کو اس سے کیا تعلق؟" (ملفوظاتِ حکیم الامت جلد ۸ صفحہ ۲۵۹ / ملفوظ نمبر ۳۲۰)

(قسط اول)

انکارِ ختمِ نبوت اور بریلوی حضرات

مولانا ابوایوب قادری

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا اما بعد!

برادرانِ گرامی قدر! بہت دنوں سے خواہش تھی کہ ایک مضمون جو ذہن میں گردش کررہا ہے اُس کو سپردِ قلم کردیا جائے؛ تاکہ امت مسلمہ کیلئے فائدہ مند ہو، مگر نہ لکھ سکا، اب تائید ایزدی سے چند باتیں آپ کی خدمت میں رکھنے لگا ہوں، اللہ کریم مدد و نصرت فرمائے!

گزارش یہ ہے کہ مَنۡ عَادیٰ لِیۡ وَلِیًّا فَقَدۡ اٰذَنۡتُہٗ بِالۡحَرۡبِ حدیث شریف کئی بار پڑھی، مفہوم و مطلب بھی اپنے اکابرین واساتذہ سے سمجھا، مگر عملی نمونہ اور مشاہدہ تب ہوا جب رضاخانیت کے اندر جھانک کر دیکھا، آنے والی سطور سے اپ لوگ بھی مشاہدہ کرلیں گے کہ یہ لوگ منکرین نبوت اور ختم نبوت ہمیں کہتے تھے، خدا نے انہی کے گھر سے ان کے اکابر کو کہلوادیا۔ فللہ الحمد

جہاں تک نبوت اور ختم نبوت کا تعلق ہے تو اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کو خلقت کی راہنمائی وراہبری کیلئے چنا اور پسند کیا، وہ اپنے اپنے زمانے میں تشریف لاکر خلقت کو سیدھی راہ دکھاتے رہے، نبوت کا مبدأ اور ابتداء تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، انہی سے آغاز ہوا، اور دنیا میں بعثت سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کی ہوئی اور سلسلۂ نبوت چلتے چلتے آنحضور پُرنور شافع یوم النشور پر ختم ہوگیا۔ اس کی حکمتیں تو خدا ہی جانتا ہے مگر ہمیں سمجھ یہ آتی ہے کہ سرکار سے سلسلۂ نبوت شروع فرما کر بعثت جناب آدم علیہ السلام سے شروع کی گئی یہ یونہی ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ جب کہیں دوسرے ملک کام پر چلا جاتا ہے تو اپنی جگہ نائب مقرر کرکے جاتا ہے۔

یہاں بھی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات تشریف لاتے رہے، مگر سارے نائبین تھے، اور اصل وذاتی نبوت تو رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، جیسا کہ سیدنا الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق بھی یہی ہے کہ آپ کی نبوت اصل ہے اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت خدا نے بغیر واسطہ اور وسیلہ کے دی ہے، اور باقی سارے انبیاء کو نبوت سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے، اسے کہتے ہیں بالذات اور بالعرض۔

اس کی مثال یوں بھی ہوسکتی ہے سورج کی وجہ سے روشنی چاند ستاروں کو ملتی ہے اس سے سورج کا وجود اول ہوگا، ہاں ظہور آخر، جیسے رات کو چاند ستاروں کی چمک سورج کی وجہ سے حالانکہ وہ نظر تو نہیں آرہا، مگر جب نظر آتا ہے تو سب روشنی کے علمبردار چھپ جاتے ہیں، اور اس کے ظہور کے بعد کسی اور روشنی کے مینار کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی، یونہی سرکار کی روح فتوح کو نبوت کا تاج سجایا گیا عالم ارواح میں، پھر آپ ہی کی وجہ سے کم وبیش چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو نبوت ملی، پھر آکر میں سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، تو آپ کے بعد اب کسی اور نبی کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ رہی۔

اللہ نے یہ شان ومرتبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا کہ آپ وجود نبوت میں اول ہیں، مگر آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا، یوں آپ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

یہاں ایک بات کا اظہار ضروری ہے کہ خدا نے اس سفارت اور نبوت کیلئے انسانوں سے ہی بعض برگزیدہ انسانوں کو کیوں چنا؟

خدا تعالیٰ کی ذات نہایت وغایت تقدس والی ہے، جبکہ عام انسان غایت ظلمت میں ہیں، اب ایسی ذواتِ قدسیہ کی ضرورت ہے جو خدا سے احکامات لے کر بندوں تک پہونچا سکیں، ظاہر ہے فرشتے قدسیت میں تو معروف ہیں، مگر ہمارے تک احکام پہونچانا ان کے بس میں نہیں؛ اسلئے کہ موانست، مجانست نہیں۔ جبکہ جن کی طبیعت میں شرارت اور فطرت میں میل ہے، شعلہ پن ہے وہ احکامات کو نہ لے سکتے تھے اور نہ ہی پہونچا سکتے تھے کہ مخلوق خدا ویسے ہی جنوں سے ڈرتی ہے، اس لئے انسانوں میں سے ہی ان ذوات قدسیہ کا چناؤ ہوا جن کو اللہ نے معصوم بنایا اور عصمت کی چادر اوڑھادی، اور جن کی عزت وشان وشوکت وسطوت پر کسی قسم کا دھبہ اور داغ نہیں جو کہ عصمت کی چادر کو بدنما کردے۔ تو یہ خدا سے احکامات کو لے کر مخلوق خدا تک پہونچاتے تھے ان کیلئے احکام لینا بھی درست اور آگے دینا بھی درست؛ کیونکہ آگے بھی انسان اور یہ بذات خود بھی انسان، گو انسانوں کے اعلیٰ طبقہ اور مرتبہ اور شان ومقام میں ایسے کہ انسانیت کے سارے طبقے مل کر مقابلہ نہ کرسکیں۔ اس قدر عظمت ورفعت ماننے کے باوجود کہ آپ سے بڑھ کر شان ومقام مرتبہ قدر ومنزلت میں خدا کی کل خدائی میں کوئی نہیں آیا اور نہ ہی آئے گا۔ بقول شاعر

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر رضاخانی الٹی عقل والے اور ہیر پھیر کے ماہرین اور مشاقین نے امت کو انگریز کی ایماء پر توڑنے کا پروگرام بنایا اور لنگوٹ کس کر میدان میں اتر پڑے، اور لگے ہر ایک کو کافر ومشرک اور گستاخ بے ادب وبے ایمان بنانے۔ (اعاذنا اللہ منہم) سو سال سے زائد یہ لوگ اس تکفیر کے دو دھاری خنجر سے امت مسلمہ کا ناحق قتل عام کرتے رہے، مشہور زمانہ ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خدا کی مار ان پر ایسی پڑی کہ آپس میں ہی اپنے بزرگوں کو نبوت اور ختم نبوت کا منکر سمجھنے لگے اور کہنے لگے۔

ہم نے جتنا ہوسکا اس کو اکٹھا کردیا، اگر کسی صاحب کے پاس اس سے زیادہ حوالجات ہوں تو مزید اس کو بڑھایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو، اور اپنے دین عالی کی خدمت کیلئے ہمیں قبول فرمائے، اور یہ اسی کی مہربانی ہے اور توفیق وعنایت ہے کہ ہم دین کی خدمت کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔

رضاخانی حضرات کے گھر ایک مسئلہ چل پڑا کہ آیت مغفرت ذنب میں معنیٰ کیا ہونا چاہئے؟

بعض لوگوں نے رضا خان صاحب فاضل بریلوی والا معنیٰ کیا کہ:

"آپ کے سبب سے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کرے"

اور بعضوں نے یہ کہا کہ:

"آپ کے بظاہر اور صورتاً گناہ اللہ معاف کرے"

اور بعض نے "خلافِ اولیٰ" کے الفاظ استعمال کئے، اور بعضوں نے "صراحۃً گناہ" کی نسبت آپ کی طرف

کی، رضا خان کی فکر والے افراد نے باقی تراجم والوں کو کان پکڑا دئے، اور انہیں نبوت کا منکر قرار دیا۔

آیئے! تفصیل ملاحظہ فرمائیں! یہ ہمارے سامنے **"تحقیقات غلام مہر علی"** موجود ہے، اس میں "دیوبندی مذہب" کا مصنف غلام مہر علی چشتیاں کا رہنے والا یوں لکھتا ہے:

"قرآن مجید کے کسی لفظ کا ترجمہ و معنیٰ یا کسی نجی گفتگو میں اپنی طرف سے آپ کیلئے گناہ یا گناہ گار کا لفظ بولنا آپ کی نبوت کا انکار و کفر ہے"۔ (معرکۃ الذنب صفحہ ۱۷، تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۰)

آگے لکھتے ہیں:

"جو شخص کسی مقدس نبی کو گناہ گار سمجھتا ہے یا لکھتا ہے خواہ بتاویل گناہ سمجھے یا لکھے یا بتائے، وہ نبی کی نبوت کا منکر ہے، تو نبی کی نسبت لفظ ذنب کا معنیٰ باضافت حقیقیہ الی النبی گناہ نہیں ہوسکتا" (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۷)

"یہ ترجمہ کہ "اور بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے" کے سراسر عصمت رسول سے بغاوت و جہالت وشقاوت ہے، نبی کی نبوت کا انکار و کفر ہے"۔ (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۸)

"نبی کیلئے گناہ کا لفظ بولنے والا اس کی نبوت کا منکر اور کافر ہے" (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۳۳۸)

"چونکہ آپ کے نزدیک حضور ﷺ کے کل کام پسندیدہ نہ تھے؛ بلکہ بعض خلاف اولیٰ ناپسندیدہ تھے، لہٰذا آپ کی بھدی ملعون ھذہ الامۃ اللہ بخش نیر والطاف حسین کے نزدیک معاذ اللہ حضور ﷺ نبی نہ تھے" (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۷ رسالہ جوابات رضویہ)

"خلاف اولیٰ ناپسندیدہ کام کو پسندیدہ و بہتر نبی پر الزام لگایا اور السعید میں آپ ﷺ کیلئے اتنی دفعہ ثابت کیا کہ شائد اتنی دفعہ کلمہ بھی نہ پڑھا ہوگا، اور خود اپنے استاد یا مرشد کے فیصلہ کہ نبی کل امور میں پسندیدہ ہوتے ہیں کے نتیجے میں منکر نبوت مصطفیٰ ﷺ ہوکر اپنے انجام کو پہونچے" (جوابات رضویہ صفحہ ۱۸)

"آپ لوگ حضور ﷺ پر عمر بھر ناپسندیدہ، خلاف اولیٰ کاموں کا الزام لگا کر آپ ﷺ کی نبوت کے منکر ہوکر تجدید ایمان و نکاح کا بندوبست بھی کر لیجئے" (جوابات رضویہ صفحہ ۲۴)

"حامد سعید صاحب آپ اور اللہ بخش نیر اور الطاف سعیدی میری بیعت ٹوٹنے کی فکر کی بجائے (کاظمی صاحب کے نزدیک ناپسندیدہ کام نہ کرسکنے کے حوالے سے) حضور ﷺ کیلئے ناپسندیدہ کام ثابت کرکے آپ ﷺ کی نبوت کے انکار کی سزا میں اپنے ایمان اور نکاح ٹوٹنے کی فکر کریں" (جوابات رضویہ صفحہ ۲۸)

"تو بقول کاظمی صاحب جب نبیوں نے اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرلیا تو معاذ اللہ اپنے نبی ہونے کی نفی کردی" (جوابات رضویہ صفحہ ۹۰)

"حضور ﷺ کیلئے خلاف اولیٰ ثابت کرنے والا جاہل ملاں اللہ بخش نیر بفیصلہ کاظمی صاحب منکر نبوت مصطفیٰ ﷺ ہوکر مرتد قرار پاکر ملعون بھی ٹھہرا، اور رشدی کی معنوی اولاد بھی" (جوابات رضویہ صفحہ ۲۹)

"ترجمۃ البیان میں خلاف اولیٰ ناپسندیدہ سب کاموں کا مرتکب لکھنا یہ نص قطعی کا انکار ہے یا حضور سرور انبیاء ﷺ کی نبوت کا انکار ہے" (جوابات رضویہ صفحہ ۳۳)

"سعیدی حضرات کاظمی صاحب کی مار سے اپنی بیعت؛ بلکہ ایمان کی فکر کریں؛ کیونکہ کاظمی صاحب کے نزدیک نبی ہوتا ہی وہ ہے جس کا ہر کام اولیٰ پسندیدہ ہو مگر بعض سعیدی حضور ﷺ کیلئے خلاف اولیٰ، نہ

بہتر و ناپسند کام ثابت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ہی منکر ہو کر مرتد ہو رہے ہیں" (جوابات رضویہ صفحہ ۶۸)

خلاصہ یہ ہے کہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ کہنا کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوئے یا یوں کہنا کہ آپ کے خلاف اولیٰ معاف ہوئے یہ انکار نبوت اور کفر و ارتداد ہے، اور قائل منکر نبوت اور کافر و مرتد ہے۔

اب دیکھئے! کون کون لوگ اس انکار نبوت کے اعزاز کو حاصل کرتے ہیں؟

فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

"مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی، اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے" (فضائل دعا صفحہ ۸۶)

مولوی نقی علی خاں صاحب لکھتے ہیں:

"ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ" (الکلام الاوضح ۶۲)

مولوی سردار احمد لائل پوری فرماتے ہیں:

"جب نازل ہوئی آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے الخ" (فوائد دورۂ حدیث شریف صفحہ ۷۸)

جناب احمد سعید کاظمی صاحب لکھتے ہیں:

"تا کہ اللہ آپ کیلئے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورۃً ذنب ہیں حقیقۃً حسنات الابرار سے افضل ہیں) (التصدیقات صفحہ ۲)

تقریباً پاک و ہند کے ۱۲۰ علمائے بریلویہ نے اس کی تصدیق کی۔ (دیکھئے! التصدیقات لدفع التلبیسات)

ابوالخیر زبیر حیدر آبادی پر جب اختلاف ہوا تو اشرف سیالوی کو ثالث چنا گیا اس نے جو فیصلہ لکھا اس میں ہے:

"جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا؛ لیکن بعد ازاں ایسا کیا بھی تا کہ معلوم ہو کہ یہ چیزیں حرام نہیں تو اس خلاف اولیٰ کے ارتکاب کو ذنب سے تعبیر کیا گیا اور وہ بھی معاف کرنے کا اعلان کر دیا گیا" (فیصلۂ مغفرت ذنب صفحہ ۳۵)

اس فیصلہ کی تصدیق کرنے والے پاک و ہند کے ۲۰۴ علمائے بریلویہ ہیں۔ (دیکھئے! فیصلۂ مغفرت ذنب)

تو یہ سب کے سب منکر نبوت ہوئے، اور جب نبوت کے منکر ٹھہرے تو ختم نبوت کے منکر بھی بن گئے۔

باقی رہی یہ بات غلام مہر علی چشتیاں کا معتبر ہے یا غیر معتبر؟ تو اس کا جواب اتنا ہے کہ اس کی کتاب تحقیقات غلام مہر علی میں تصدیقات بھی کئی بریلوی علماء کی ہیں۔

اور تذکرہ اکابر اہل سنت میں شرف قادری صاحب نے جن کو مفتی منیب صاحب سند اور حجت قرار دیتے ہیں، مسلک بریلویہ کیلئے وہ یوں تعریف کرتے ہیں:

"فاضل جلیل، مولانا مہر علی" (تذکرہ اکابر اہلسنت صفحہ ۶۶)

اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

"آپ نہ صرف ایک معروف اور ممتاز سنی خطیب ہیں وہ ایک زبردست مناظر ہیں، آپ کی تصنیف "دیوبندی مذہب" نظریاتی دنیا میں کوہ الوند بن کر سامنے آئی، اور دیوبندی مناظرین اس کی چٹانوں سے سر پھوڑتے رہے، اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپے، اس پر دیوبندی پریس نے آہ و فغاں کی، مگر یہ کتاب اپنے ٹھوس دلائل کی وجہ سے مقبول ہوتی گئی" (تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور صفحہ ۴۱۹)

ان کی تعریف وتوصیف دیگر حضرات سے بھی مل سکتی ہے، مگر بخوف طوالت اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

قارئین ذی وقار! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ سارا طائفہ ہی نبوت کا منکر اور منکر ختم نبوت نظر آتا ہے۔

ایک اور دلیل سے

مولوی محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے مؤیدین اور ہم مشرب لوگوں نے ایک نظریہ دیا کہ آنحضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۰ سال سے قبل نبی نہ تھے؛ بلکہ ۴۰ سال کے بعد نبی بنے، اس سلسلے میں انہوں نے کئی کتب تحریر فرمائیں، تحقیقات، نظریہ وغیرھا۔

مفتی نذیر احمد سیالوی صاحب ان کے رد میں لکھتے ہیں:

"نبوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ارواح میں بالفعل تسلیم کرنے کے باوجود قبل از بعثت اس کے بالفعل (بمعنیٰ مصطلح) ہونے کا انکار کرتے ہیں، جو کہ زوال نبوت کا قول کرنے کے مترادف ہے" (نبوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفحہ ۲۸۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"البتہ تحقیقات کچھ لوگوں کو انکار نبوت کا انعام ضرور دے چکی ہے" (تصریحات ج۱ صفحہ ۶۶)

"ان میں ایسی تصریحات موجود ہیں جن میں واشگاف الفاظ میں قبل از بعثت کے عرصہ میں نفی نبوت اور انکار نبوت ہے" (تصریحات ۹۲/۱)

"صاحب نظریہ کے نزدیک خاتم النبیین کا معنیٰ ہے کہ سب نبیوں کی نبوت کو ختم کردینے والا اور انہیں منصب نبوت سے محروم کردینے والا" (تصریحات ج۱ صفحہ ۱۰۶)

"بظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے لیکن درحقیقت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی نفی کردی ہے" (تصریحات ج۱ صفحہ ۱۱۰)

پروفیسر عرفان قادری صاحب لکھتے ہیں:

"اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے، اور ارواح انبیاء کی تربیت فرما رہے تھے، پھر آپ علیہ السلام سے معاذ اللہ کون سی ایسی لغزش ہوگئی تھی جس کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقریباً ۴۰ سال تک اس ارفع واعلیٰ مرتبہ سے معاذ اللہ معزول کردیا گیا" (نبوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آن ہر لحظہ صفحہ ۶۱)

قاضی محمد عظیم صاحب لکھتے ہیں:

"تحقیقات نے بزور قلم چالیس سال سے قبل نبوت کی نفی کردی ہے" (توضیحات صفحہ ۲۵۴)

"تحقیقات کا قبل وحی عصمت کو ماننا اور اس کی بنیاد پر ثابت اور محقق نبوت کو نہ ماننا بالکل غلط اور بے بنیاد سوچ ہے" (توضیحات ص ۴۵۲)

مفتی عبدالمجید خان سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

"کتاب مذکور میں بر سبیل غلط اس گمراہ کن اور باطل نظریہ کے صحیح ہونے کا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ولادت باسعادت کے وقت سے لے کر چالیس سال کی عمر شریف تک معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اور صرف ولی تھے الخ" (تنبیہات صفحہ ۱۱)

دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

”قوم پر احسان عظیم کیا ہے جو نفی نفس نبوت میں نہایت صریح ہے“ (مصلحانہ کاوش صفحہ ۸۴)

سیالوی گروپ کے ایک فرد مفتی غلام حسن قادری کے بارے میں سعیدی ساحب لکھتے ہیں:

”موصوف یہ بحث چھیڑ کر اپنے پیش رو کی عقیدت کے جوش میں ایک بار پھر اس امر کا اقرار کر بیٹھے ہیں کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر چالیس برس تک آپ کو صرف ولی مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے، اس طرح سے وہ جلد بازی میں اس بات کو ظاہر کر بیٹھے جسے وہ چھپانا بہتر سمجھتے تھے، الغرض اس سے اپنا منکر نبوت ہونا بیان کر گئے“ (مصلحانہ کاوش صفحہ ۸۰،۸۱)

مفتی محمود حسین شائق صاحب لکھتے ہیں:

”علامہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس مسودہ میں یہ موقف اختیار کیا کہ آپ پیدائشی نبی نہیں ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے بعد غار حراء میں نبی بنائے گئے، پہلے نبی نہیں تھے“ (پیدائشی نبی ج ۱ صفحہ ۳۴،۳۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”علامہ محمد اشرف سیالوی نے رسول اکرم شفیع معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائشی نبوت کا انکار کر کے ایک نئے فتنہ کا باب کھولا“ (تجلیات علمی حصہ دوم صفحہ ۳)

مفتی جمیل احمد صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

”حال ہی میں تحقیقات نامی کتاب مصنفہ مولوی محمد اشرف سیالوی منظر عام پر آئی جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس وانور سے از ولادت پاک تا چالیس سال نبوت کی نفی کی گئی؛ بلکہ معاذ اللہ یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کی عمر مبارک سے پہلے نبی بننے کے اہل بھی نہ تھے“ (التبشیر ات صفحہ ۸)

مفتی عبد المجید خان سعیدی ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مصنف تحقیقات کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معاذ اللہ نبی ہونے کی صلاحیت نہ تھی“ (سندیلوی کا چیلنج منظور ہے صفحہ ۵)

القصہ مولوی اشرف سیالوی صاحب اور ان کی جماعت جس میں کئی بریلوی اکابر ہیں، سب ہی منکرین نبوت ٹھہرتے ہیں، اور جب نبوت کے منکر ہوئے سرکار کی تو پھر سرکار کی ختم نبوت کا بھی تو انکار ہو گیا، اور یہ سب انہی کے اکابر کے فتاویٰ سے مبرہن اور ثابت ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے سیالوی صاحب کے خلاف کتابیں لکھی ہیں۔

باقی رہا اشرف سیالوی وغیرہ کا معتبر ہونا تو حنیف قریشی صاحب کے ”مناظرہ گستاخ کون؟“ میں اسے قائد بریلویت بتایا گیا ہے، اور مفتی منیب الرحمن صاحب کی تفہیم المسائل ج ۳ کے مقدمے میں اسے مسلک بریلویہ کیلئے سند اور حجت قرار دیا گیا ہے، تو جب قائد بریلویت ہی منکر نبوت ہیں تو باقی پھر کیا بچا؟

ایک اور دلیل سے

مفتی احمد یار نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں:

"نبی جنس بشر میں آتے ہیں، اور انسان ہی ہوتے ہیں" (جاء الحق صفحہ ۱۷۳)
تفسیر نور العرفان صفحہ ۶۸۷ سورۂ جن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
"نبوت انسانوں سے خاص ہے"
اور آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
"رسول صرف انسان ہوتے ہیں"
تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:
"رسول صرف انسان ہیں" (تفسیر نعیمی جلد ۸ صفحہ ۱۲۳ رکوع نمبر ۳)
معلوم ہوا کہ رسالت و نبوت کا سہرا اور تاج اللہ نے انسانوں میں سے ہی افراد کو منتخب اور چن کر ان کے سروں پر سجایا ہے، لہٰذا جو ان کی انسانیت اور بشریت کا انکار کرے تو ان کی نبوت کا بھی انکار ہو جائے گا؛ کیونکہ جب وہ انسان نہ رہے تو نبی کیسے بنیں گے؟ کیونکہ نبوت تو انسانوں کو ہی ملی ہے۔
مفتی عبد المجید خان سعیدی صاحب لکھتے ہیں:
"جو ذات اقدس سب سے پہلے بشر (ابولبشر) سے بھی پہلے موجود ہو اس مقدس و مطہر ہستی کو بشر کہنا یا ماننا کس طرح صحیح ہے؟" (مصلحانہ کاوش صفحہ ۱۵۱، انوار قمریہ صفحہ ۱۹۴)
مفتی عبد الرحیم اسکندری شر صاحب لکھتے ہیں:
"اللہ تعالیٰ ایک جنس سے دوسری جنس پیدا کرنے پر قادر ہے، جیسے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی والے قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنس کو دوسری جنس سے پیدا فرمایا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور بنایا اور بشر سے پیدا فرمایا" (الفتح المبین صفحہ ۱۴۴)
اس کا صاف مطلب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر نہیں ہیں جیسا کہ ہر عاقل کو سمجھ آرہا ہے۔
تفسیر نعیمی جلد ا صفحہ ۱۰۰ پر خود مفتی احمد یار نعیمی گجراتی نے لکھا ہے کہ:
"ان کو بشر ماننا ایمان نہیں"
اور بریلوی کتب میں انبار لگے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس بشریت میں تشریف لائے۔ (دیکھئے! نور العرفان صفحہ ۱۹، تسکین الخواطر صفحہ ۱۱۷، مقیاس نور صفحہ ۱۳، مواعظ نعیمیہ صفحہ ۱۱۹، مقیاس حنفیت صفحہ ۲۳۴ وغیرھا کتب)
جبکہ غلام رسول سعیدی صاحب جو کہ بریلوی اکابر شمار کئے جاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:
"بعض لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسان اور بشر نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت آپ کی صفت یا آپ کا لباس" (تبیان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۵۳)
تو یہ بھی رضاخانی گھر سے معلوم ہو گیا کہ لباس بشریت کا قول انکار بشریت ہے، تو لباس بشریت ماننے والے سارے کے سارے منکرین نبوت جا ٹھہرے، اور جنہوں نے انکار بشریت کیا وہ بھی بقول رضاخانی حضرات نبوت و رسالت کے منکر ٹھہرے، اور جب نبوت و رسالت کا انکار ہوا تو پھر خاتم الانبیاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ٹھہرے؟ (العیاذ باللہ من سوء الفہم والجہل)

ایک اور دلیل سے

فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

"جب سے نبی سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی" (ختم نبوت صفحہ ۴۱)

دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"تمام انبیاء ومرسلین کے سردار نبی ہوئے جبکہ آدم آب وگل میں تھے" (تجلی الیقین صفحہ ۸۷)

آپ نتیجہ خود ہی نکال لیں کہ سارے انبیاء کی نبوت پر ہی ہاتھ صاف فرمادیا؛ کیونکہ معلوم یہ ہورہا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق آدم سے پہلے نبوت ملی، اور آپ کو ملنے کے بعد کسی اور کو نہیں مل سکتی، تو پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیائے کرام کی نبوت کا کیا بنا؟ تو انکار ہی صراحۃً نظر آرہا ہے۔

ایک اور دلیل سے

ملت بریلویہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت فرض کرنا بھی کفر ہے، اور وہ اس کو ختم نبوت کے انکار کے مترادف سمجھتے ہیں۔

چنانچہ مولوی محمد عمر اچھروی صاحب لکھتے ہیں:

"تحذیر الناس ۔۔۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، ثابت ہوا کہ بانئ مرزائیت دیابنہ ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی پیدا کرنے کے درپے ہیں (العیاذ باللہ من ھذا الافتراء۔ از: قادری) اور احناف کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کے خاتم النبیین ہونے کے بعد کسی کو نبی فرض کرنا بھی کفر ہے" (مقیاس حنفیت صفحہ ۱۹۸)

چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ فرض کرنے کو بھی انکار ختم نبوت سمجھتے ہیں، اسی لئے تو نانوتوی صاحب پر اعتراض ہے، جبکہ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا حضور کے صاحبزادے ابراہیم انتقال نہ فرماتے" (ختم نبوت صفحہ ۴۳)

مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو پٹھانوں کے خوف سے حج جیسے فریضہ سے محروم نہ رہتا" (نور العرفان صفحہ ۸۰۶)

اسی نور العرفان میں ہے:

"اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوتا۔۔۔ وغیرھا'

تو ان لوگوں نے بھی نبوت کو فرض کرکے انکار ختم نبوت کیا، ہے کوئی رضا خانی جوان کو انکار ختم نبوت کی زد سے بچاسکے؟ (جاری)

ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ

زین العابدین قاسمی بہرائچ یو۔پی

ماہِ مُحرّم اسلامی سال (ہجری کیلینڈر) کا پہلا مہینہ ہے، اسی مہینہ سے اسلامی جنتری کی شروعات ہوتی ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مہینہ کو ’’اللہ کا مہینہ‘‘ فرمایا ہے، اور فضلیت وعظمت میں رمضانُ المُبارک کے بعد اسی مہینے کا درجہ ہے، صحابیٔ رسول سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینے محرم کا روزہ ہے، (مسلم شریف) اسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو خلیفۂ دوم، فاروقِ اعظم، امیرالمؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی، اور دسویں تاریخ کو نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔

واضح رہے کہ واقعۂ شہادت کی وجہ سے نہ تو محرم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے، اور نہ ہی محرم کی دسویں تاریخ غم کی تاریخ ہے، اگر شہادت کی وجہ سے کسی مہینہ کو غم کا مہینہ یا کسی تاریخ کو غم کی تاریخ قرار دی جائے تو سال کے ہر مہینے کو غم کا مہینہ اور ہر تاریخ کو غم کی تاریخ قرار دینی پڑے گی، کیونکہ سال کا کوئی مہینہ یا کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں کسی کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، اسلام کی تاریخ تو شہیدوں کی شہادت سے بھری پڑی ہے، حقیقت یہ ہے کہ شہادت غم کا سبب نہیں ہے بلکہ شہادت تو ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ ہر مؤمن کو اِس کی تمنا ہونی چاہئے، خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی شہادت کی تمنا فرماتے تھے، چنانچہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں (بخاری شریف، مسلم شریف) شہادت اگر غم کا سبب ہوتا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس کی تمنا کیوں فرماتے؟

یومِ عاشوراء

محرم کی دسویں تاریخ کو ’’یومِ عاشوراء‘‘ کہا جاتا ہے، یہ فضیلت وعظمت والا دن ہے، مگر یاد رہے کہ اس فضیلت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس دن سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی جیسا کہ بعض عوام کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شہادت کا واقعہ پیش آنے سے پہلے اس دن کی کوئی فضلیت نہ ہوتی، حالانکہ واقعۂ شہادت سے پہلے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے زمانۂ جاہلیّت میں بھی اس دن کی فضیلت مُسلّم تھی، چنانچہ اسی فضیلت وعظمت کی وجہ سے مُسلم شریف کی رِوایت کے مُطابق مکّہ مُکرمہ میں کُفّارِ قُریش اور مدینہ مُنورہ میں یہودی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی جب تک مکہ مُکرّمہ میں رہے اس دن روزہ رکھتے رہے، اور جب ہجرت فرما کر مدینہ مُنوّرہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابۂ کرام رِضوانُ اللہ علیہم اَجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، اس سے ثابت ہوا کہ یومِ عاشوراء کی فضیلت نواسۂ رسول کی شہادت کا واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی سے ہے، لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ اس فضیلت والے دن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی

شہادت ہوئی ہے نہ کہ واقعۂ شہادت کی وجہ سے اس دن کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکہ سے) ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ یومِ عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم لوگ جو اس دن روزہ رکھتے ہو تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہودیوں نے بتلایا کہ یہ بہت بڑا دن ہے، اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو (فرعون جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے ظلم و ستم سے) نجات دے کر فرعون اور اس کی قوم کو (دریا میں) ڈبویا تھا تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا انہی کی اتباع میں ہم لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو تمہارے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں (کیونکہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، جب تم لوگ روزہ رکھتے ہو تو مجھے تو بدرجۂ اولیٰ روزہ رکھنا چاہیے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابۂ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) ویسے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرتِ مدینہ سے پہلے مکہ ہی میں یومِ عاشوراء کو روزہ رکھتے تھے جیسا کہ مسلم شریف کے حوالے سے اوپر گذرا، مگر مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکراً اس دن روزہ رکھا ہے تو اس روزے کا اور زیادہ اہتمام فرمانے لگے یہاں تک کہ خود تو روزہ رکھتے ہی تھے حضرات صحابۂ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا تاکید کے ساتھ حکم فرماتے تھے، چنانچہ حضرت جابر بن سَمُرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خود بھی) عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور ہم سب کو بھی اس پر ابھارتے تھے، اور ہم سب کی نگرانی (بھی) فرماتے تھے (کہ کس نے روزہ نہیں رکھا) (مسلم شریف) رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ واجب تھا، رمضان کا روزہ فرض ہوجانے کے بعد اِس کا وُجوب ختم ہو کر مُستحب ہوگیا، یعنی جس کا جی چاہے روزہ رکھے، جس کا جی چاہے نہ رکھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کی فرضیّت سے پہلے اِس (عاشوراء) کے روزے کا حکم فرمایا کرتے تھے، پھر جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو یہ حکم ہوا کہ جس کا جی چاہے وہ یومِ عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے'' (مسلم شریف)

یومِ عاشوراء کے روزے کی فضیلت

یومِ عاشوراء کا روزہ مُستحب ہے، اِس دن روزہ رکھنے سے پچھلے ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یومِ عاشوراء کے روزے کے مُتعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلے ایک سال (کے گناہوں) کو مٹا دیتا ہے (مسلم شریف) رمضان کے روزے فرض ہوجانے کے بعد بھی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ ہر سال عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بتاتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دنوں میں) عاشوراء کے روزے کو دوسرے دنوں کے روزے پر اور (مہینوں میں) رمضان کے روزے کو (دوسرے مہینوں کے روزے پر) فضیلت دیتے تھے (بخاری شریف، مسلم شریف)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عارف حسین قاسمی

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ : **الناس معادن خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذافقھوا** (بخاری ج۱ص۱۷۹، مسلم ج۲ص۲۶۸) یعنی جس طرح زمین کی کانیں مختلف الاستعداد ہوتی ہیں کسی سے سونا نکل رہا ہے کسی سے چاندی،کوئی پیتل کی کان ہےکوئی لوہے کی، کسی سے کوئلہ نکل رہا ہے۔ان سب کانوں میں سونے کی کان کوسب کانوں پرشرف حاصل ہے،اسی طرح انسان بھی مختلف الاستعداد ہوتے ہیں،اگرشریف النسب آدمی اسلام لانے کے بعدفقیہ بن جائے تو یہ سونے پرسہاگہ اور **نورٌ علی نور** ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی نسبی شرافت کا کیا کہنا،آپ کےنسب مبارک میں آٹھ انبیاء علیہم السلام اورسولہ بادشاہوں کے اسمائے گرامی آتے ہیں،اسی نبوت وملوکیت کے حسین ترین امتزاج کانام نعمان بن ثابت ہے،جنکی پیدائش ۸۰ ؁ھ وفات ۱۵۰ ؁ھ کوفہ ہے،اس شرافت نسبی پرجب فقاہت یعنی نبوت کی مزاج شناسی کانور چمکا تو اس عظمت کا اعتراف اہل اسلام نے امام اعظم کے لقب سے کیا،اوربقول صاحب تاریخ ابن خلکان امام اعظم ابوحنیفہ عالم، عابد، زاہد،صاحب ورع وتقوی،کثیرالخشوع،دائم التفرع،خوبصورت،خوش سیرت،بڑے کریم،مسلمان بھائیوں کے عمدہ مددگار،میانہ قد،گندم گوں،خوش تقریراورشیریں زبان تھے۔

اوربقول حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ سابق صدروبانی دارالعلوم کراچی" حضرت امام اعظمؒ کی علمی جلالت شان اورعلمی کمالات،ورع وتقوی،عبادت وزہادت ایسی چیزیں نہیں جس سےکوئی لکھا مسلمان ناواقف ہو،اپنوں اور غیروں میں موافق ومخالف سبھی میں یہ چیز ناقابل اختلاف سمجھی گئی ہے؛لیکن ہرامام اورہرعالم مقتداءعلوم دین کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک شعبے کوبحیثیت فن کے اپنے سعی وعمل کے لئے مخصوص کرلیتا ہے یا منجانب اللہ ایسے اسباب ہوجاتے ہیں کہ یہ فن ان کی خصوصیت بن جاتی ہے،وہ دنیا میں عام طورپراسی فن کے ماہر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے،مگراس کا یہ مطلب کہیں نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے علوم وفنون کے ماہرنہیں ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالی نے ان کوتمام علوم اسلامیہ نقلیہ تفسیرحدیث وغیرہ میں بلکہ علوم عقلیہ کلام وغیرہ میں بھی اعلی درجہ کا کمال عطافرمایا تھا،مگران تمام علوم وفنون میں سے جس چیزکواپنے لئے خاص فن کی حیثیت سے انہوں نے اختیارکیا وہ تفقہ فی الدین ہے،اس لئے دنیا میں آپ کی عام شہرت فقیہ کی حیثیت سے ہوئی۔اہل بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں کہ فقہ میں کوئی شخص اس وقت تک امامت ومہارت کادرجہ حاصل کرہی نہیں سکتا جب تک کہ قرآن وسنت میں مہارت تامہ حاصل نہ کرلے۔ (ازامام اعظم اورعلم حدیث)

امام اعظمؒ کے فضائل ومناقب کے لئے تاریخ ابونعیم کی یہ روایت ہی کافی ہے،جس کوحضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"اعظم الناس نصیبافی الاسلام اھل فارس لوکان**

الاسلام فی الثریا لتناوله رجال من اھل فارس ‘‘اس پیشین گوئی کے اولین مصداق امام اعظمؒ ہیں؛ کیونکہ ائمہ متبوعین میں امام صاحبؒ ہی فارسی النسل ہیں، امام احمد بن حنبلؒ عرب کے شیبانی قبیلہ کے چشم و چراغ ہیں، امام شافعیؒ عرب کے خاص مطلبی قریشی قبیلہ کے فرزندار جمند ہیں اور امام مالکؒ عرب کے اصحی قبیلہ کے نونہال ہیں۔

انہیں چاروں اماموں کے ذریعہ آپ ﷺ کی مکمل سنت مکمل تدوین اور عملی تواتر سے امت تک پہنچی ہے، لہذا اعظم کا جو لفظ زبان رسالت پر آیا تھا وہ امام ابوحنیفہؒ کیلئے اہل اسلام میں بلانکیر رائج ہوگیا؛ لیکن کچھ لوگوں کو لفظ امام اعظم پر بڑے شدومد کے ساتھ مروڑ آیا اور کہنے لگے کہ اماموں میں سب سے بڑے امام تو آپ ﷺ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حماقت کی دنیا میں سوکھی گھاس کھا کر اوپر سے پانی پیتے ہیں، اگر اعتراض ہی کرنا تھا تو پہلے صدیق اکبر اور فاروق اعظم پر کرتے۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان اور امام اعظمؒ کے طریقہ کار اور اخلاص کی وجہ سے فقہ حنفی کے ذریعے کتاب وسنت خیر القرون میں ہی چہار دانگ عالم میں پہنچ چکی تھی، محدث حرم امام سفیان بن عیینہؒ جنکی پیدائش ۹۱ سنہ ھ اور وفات ۱۹۸ سنہ ھ ہے۔فرماتے ہیں: ’’شیئان ماظننتھما ان یتجاوزا قنطرۃ الکوفۃ قرأۃ حمزۃ ورأی ابی حنیفۃ وقد بلغا الآفاق‘‘

خیر القرون کی حد ۲۲۰ سنہ ھ تک ہے جیسا کہ بخاری جلد اول صفحہ ۳۶۲ کے حاشیہ نمبر ایک میں ہے، نیز اہل حدیث کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب ریاض المرتاض ص ۳۱۶ پر مسالک الممالک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

’’عباسی خلیفہ واثق باللہ نے کچھ لوگوں کو سد سکندری کا حال معلوم کرنے کیلئے چین کی آخری سرحد پر بھیجا، وہاں کی جو رپورٹ انہوں آ کر دی ہے اس میں لکھا ہے کہ ’’محافظان سد کہ درآں جا بودند ہمہ دین اسلام داشتند ومذہب حنفی، زبان عربی وفارسی می گفتند، اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند‘‘ یعنی سد سکندری کے تمام محافظ باشندے مسلمان حنفی مذہب تھے، عربی فارسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے مگر سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے‘‘۔

اور یہی نواب صاحب اپنی دوسری کتاب ’’ترجمان وہابیہ‘‘ کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں:

’’خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے‘‘۔

جناب نبی کریم ﷺ کی بشارت وپیشین گوئی کے باعث (جو اوپر گذری) ہر دور میں مقلدین امام اعظمؒ دوتہائی رہے ہیں، علامہ شکیب ارسلان المتوفی ۱۳۶۶ سنہ ھ لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں کی اکثریت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پیرو ومقلد ہیں سارے ترک وبلقان کے مسلمان، روس اور افغانستان کے مسلمان، ہندوپاک کے مسلمان اور عرب کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں‘‘۔(حسن المساعی ص ۶۹)

اور سنہ ۱۹۱۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق حنبلی ۳۰ لاکھ، مالکی ایک کروڑ، شافعی دس کروڑ، اور حنفی ۳۷ کروڑ سے زائد تھے، یہ کثرت اتباع یقیناً امام اعظمؒ کے لئے باعث فخر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے کثرت

امت پر ایک مرتبہ بطور فخر ارشاد فرمایا تھا کہ: میدان قیامت میں جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۷۷)

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۱ء کی اس مردم شماری میں دوسرے مسالک کا کوئی خانہ نہیں تھا۔

رہا امام اعظمؒ کے فضائل ومناقب کا مسئلہ تو اس پر ہر مذہب کے لوگوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں ،حضرت مولانا امین صفدرؒ کے خطبات ج ۲ ص ۱۳۰ پر تقریباً ۲۳ کتابوں کے نام مع مصنفین کے درج ہیں، ان میں سے ایک کتاب خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد ہے، اس کی تیرھویں جلد میں خطیب نے نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ امام صاحبؒ کے فضائل ومناقب جمع کئے ہیں، مگر بعد میں ایسے مثالب بھی لکھ دیئے کہ امام صاحبؒ کا اسلام بھی ثابت نہ ہو، ظاہر سی بات ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتی کہ وہ افضل ترین انسان بھی ہو اور بدترین خلائق بھی ،اب دیکھنا یہ ہے کہ امت نے اجماعاً امام صاحبؒ کے محاسن قبول کئے ہیں یا مثالب؟ ہر دور میں امت کے سواد اعظم کا امام صاحبؒ کے مسلک کی اتباع اس بات کی نہایت ہی واضح وبین دلیل ہے کہ امت نے اجماعی طور پر امام صاحبؒ کے محاسن اور فضائل ومناقب کو قبول کیا ہے اور مثالب کو اجماعی طور پر رد کردیا ہے۔

اصول شریعت

بعض لوگ سوال میں یہ قید لگادیتے ہیں کہ اس کا ثبوت قرآن سے دیا جائے ،اور علماء بھی خواہ مخواہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کو قرآن ہی سے ثابت کیا جائے۔

حالانکہ جب اصول شریعت چار ہیں، کتاب وسنت واجماع امت وقیاس، تو ہر عالم کو حق ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو قرآن سے ثابت کردے یا حدیث سے یا اجماع امت سے یا قیاس مجتہد سے۔ آخر تمام مسائل کو قرآن سے آپ کہاں تک ثابت کریں گے؟۔۔۔

قرآن میں دین کی سب باتیں مذکور ہیں، مگر یہ ضرور نہیں کہ سب صراحۃً مذکور ہوں؛ بلکہ اس میں قواعد کلیہ مذکور ہیں جن سے مجتہدین مسائل جزئیہ استنباط کرلیتے ہیں۔ چنانچہ ایک قاعدہ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو جو کچھ (حکم) دیں اس کو لے لو، اور جس بات منع کریں اس سے باز رہو) تو اب جتنے احکام احادیث نبویہؐ سے ثابت ہیں وہ سب اس قاعدہ کی جزئیات ہیں، لہٰذا ہم کو حق ہے کہ بعض احکام کا ثبوت احادیث سے دیں۔ نیز قرآن میں ایک قاعدہ یہ بھی مذکور ہے: فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ (ترجمہ: اے بصیرت والو! اعتبار حاصل کرو) اور اعتبار کہتے ہیں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کرنے کو، اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام قیاس سے بھی ثابت ہوتے ہیں، وعلیٰ ھذا القیاس! پھر ہم کو اس پابندی کی کیا ضرورت ہے کہ ہر مسئلہ کو جواب قرآن ہی سے دیں (یا حدیث ہی سے دیں؛ بلکہ چاروں اصول میں سے کسی بھی دے سکتے ہیں) ((خطبات حکیم الامت ۲ / ۱۰۴))

اسلام میں عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت

مولانا یونس مظاہری

اسلام کی بنیاد ایک نظریہ پر قائم ہے جس کے بنیادی ارکان توحید باری تعالیٰ، نبوت ورسالت اور ختم نبوت برحضرت محمد ﷺ اور عقیدہ معاد ہے۔ان عقائد کے حاملین آپس میں فروعی اختلافات کے باوجود ایک جسم کی مانند ہیں۔پس امت مسلمہ کا وجود بھی اسی وقت تک قائم ہے جب تک یہ امت اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کی حامل ومحافظ ہوگی اور کوئی جماعت یا فرد ان عقائد ونظریات میں سے کسی ایک کا بھی منکر یا مخالف ہوگا تو اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ایسی جماعت یا فرد اسلام سے خارج ہے۔

نبوت ورسالت انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطرتی ضرورت ہے جو تخلیق انسان کی ابتداء سے چھٹی صدی عیسوی تک قومی، علاقائی اور دیگر چند بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی معاشرے کی صلاح وفلاح کیلئے الگ الگ انبیاء ورسل کی بعثت کی شکل میں ہوتی رہی پھر جب حکمت الٰہی کے مطابق دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال ایسی صورتحال اختیار کر گئے کہ پوری دنیا کو ایک مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہوگیا اور قیامت تک کیلئے دین اور دین کے سرچشموں ''کتاب وسنت'' کی حفاظت کے اسباب پیدا ہوگئے تو حضرت محمد ﷺ کو رب العلمین نے ''خاتم النبیین'' اور ''رحمۃ للعلمین'' بنا کر مبعوث فرمایا اور گویا یہ طے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرۂ ارض میں بسنے والے جنات اور انسانوں کیلئے صرف یہی ذات اقدس وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے ان کے لئے ہدایت پھوٹ سکتی ہے۔جو انسانیت کی رہنمائی کیلئے کافی ووافی ہے۔دین اسلام میں جس طرح توحید باری تعالیٰ، رسالت اور قیامت کے بنیادی، قطعی اور اصولی عقائد پر ایمان لانا لازمی ہے اسی طرح اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ کی بعثت کے بعد یوم قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی شخص کیلئے باب نبوت کھلا ہے۔جو شخص ختم نبوت کے اس معنی کا انکار کرے یا تاویل وتحریف کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔مختصر یہ کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا وہ بنیادی اور اہم عقیدہ ہے جس پر پورے دین کا انحصار ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ ہے تو دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو تو دین محفوظ نہیں رہتا گویا عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ پورے دین کا تحفظ ہے اس لئے کہ اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو اور حضور تاجدار انبیاء محمد مصطفی ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا مان لیا جائے تو وہ نبی دین کے کسی حکم کو منسوخ کرنا چاہے جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ''جہاد'' کے حکم کو منسوخ کر دیا یا پورے دین کو منسوخ کر کے نیا دین پیش کر دے جیسا کہ بہاء اللہ ایرانی نے پورے کا پورا دین اسلام منسوخ کر کے نیا دین ''دین بہاء'' ایجاد کر لیا حتی کہ اس نے قرآن حکیم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ ''البیان'' کتاب پیش کر دی اور مسلمانوں کا قبلہ وکعبہ مکہ میں ہے مگر اس نے قبلہ بدل کر ''عکہ'' فلسطین میں بنالیا اب دین کی کیا چیز باقی رہی گویا نبوت بدلنے سے پورا دین بدل گیا۔قرآن کریم نے ایک سو سے زائد آیات اور موجودہ ذخیرۂ احادیث میں دوصد سے زائد احادیث نبوی اس عقیدہ کی وضاحت کر رہی ہے۔جن میں پورے بسط اور تفصیل سے ختمِ نبوت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔قرنِ اول سے لیکر آج تک پوری امتِ مسلمہ کا اجماع چلا آتا

ہے کہ حضورِ اکرمؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے؛ بلکہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ توفتویٰ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا یا معجزہ مانگنا بھی کفر ہے۔ فرمایا: ''من طلب منه علامة فقد کفر'' کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کی وہ یقیناً کافر ہوگیا۔ مدعی نبوت پر ایمان لانا تو کجا اس سے دلیل طلب کرنا کفر قرار دیا، جس طرح کوئی انسان خدا نہیں بن سکتا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی آدمی نبی/ رسول بھی نہیں بن سکتا۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لئے جو عظیم قربانی دی وہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جمیع صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں عقیدۂ ختمِ نبوت کی کیا اہمیت تھی؟ اس کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدعیٔ نبوت ''مسیلمہ کذاب'' سے جو معرکہ ہوا اس میں بائیس ہزار مرتدین قتل ہوئے اور بارہ سو کے قریب صحابۂ کرام نے جامِ شہادت نوش فرمایا جن میں چھ سو کے قریب تو حفاظ اور قراء تھے حتیٰ کہ اس معرکہ میں بدری صحابۂ کرام کی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیا مگر اس عقیدہ پر آنچ نہ آنے دی۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک جھوٹی نبوت کا قلع قمع اور صفایا نہیں کیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کی تکمیل ہوچکی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت اور قیاس چاروں اصولوں کی رو سے ثابت اور طے شدہ ہے۔

قرآن مجید اور عقیدۂ ختمِ نبوت

یوں تو پورا قرآن مجید ختمِ نبوت کی دلیل ہے؛ کیونکہ قیامت تک کے لئے امت مسلمہ کو فلاح کی یہی ضمانت دی گئی ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں۔ اگر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور شخص کی بعثت متوقع ہوتی تو لازمی تھا کہ اس پر وحیٔ رحمانی بھی نازل ہوتی تو پھر نجات کے لئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (بقرہ آیت ۴،۵) ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور یومِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

قرآنِ کریم کی ایک صد آیات سے صراحۃً عقیدۂ ختم نبوت ثابت ہے۔ ان میں سے چند آیات بطورِ نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلۂ ختم نبوت کی وضاحت ہوتی ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ الاحزاب: ۴۰) ترجمہ: اور نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ؛ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور تمام نبیوں کے بعد آپؐ کی بعثت ہوئی گویا آپ کی آمد کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انس وجاں آپ ہی کی امت میں داخل ہوں گے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک مقام پر یوں ذکر فرمایا گیا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً (الاعراف، آیت۱۵۸، پ۹، ع۲۰) ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا، پ۲۲، ع۳) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایک اور مقام پر رب العزت فرماتے ہیں: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء، پ۱۷، ع۷) ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر۔

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی نبوت اپنے زمانہ سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے سبھی انسانوں کے لئے عام ہے۔ آپؐ کے بعد کسی بھی نبی اور رسول کی بعثت نہیں اور اللہ کے دین کی تکمیل بھی ہو چکی۔ اسی لئے یہ اعلان بھی اللہ نے فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدۃ پ۶) ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام ہی پسند کیا۔ سرچشمۂ دین اسلام کی تا قیامت حفاظت کی ذمہ داری کی بابت بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (پ۱۴، ع۱) ترجمہ: بیشک ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

احادیثِ نبوی اور عقیدۂ ختمِ نبوت

سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اپنی ختمِ نبوت کا اعلان کئی عنوانات اور مختلف پیرایوں میں صدہا مرتبہ اور پھر ان عنوانات کو بھی صرف ایک ہی موقع پر نہیں بلکہ صدہا مواقع پر بیان فرمایا ختمِ نبوت کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ احادیث میں ختمِ نبوت کی اس قدر وضاحت ملتی ہے کہ ختمِ نبوت کا کوئی پہلو معرض خفا میں نہیں رہتا۔ دوصد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہے:

۱۔ عن جبیربن مطعم رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحی بی الکفر وانا حاشر الذی یحشر الناس علی عقبی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔ (رواہ البخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد قیامت آ جائے گی اور حشر برپا ہوگا یعنی کوئی نبی میرے اور قیامت کے درمیان نہیں آئے گا اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

۲۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (رواہ مسلم) ترجمہ: حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربِ قیامت میں میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی

الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون۔ (رواہ مسلم) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے اول یہ کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے اور دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی' تیسرے یہ کہ میرے لیے غنیمت کا مال حلال کردیا گیا اور چوتھے یہ کہ تمام زمین میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی اور زمین کی مٹی میرے لیے پاک کردینے والی بنادی گئی پانچویں یہ کہ میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں چھٹے یہ کہ مجھ پر انبیاء ختم کردیئے گئے ہیں۔

۴۔عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی۔(رواہ البخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

۵۔عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ)۔ (رواہ الترمذی ص ۲۹۰ ج ۲) ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

۶۔ایک موقع پر آپؐ نے نبوت کو ایک حسی محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنه واجمله الاموضع لبنة من زاویة من زوایاہ فجعل الناس یطوفون به ویتعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ (مسلم ج۲ص۲۴۸) ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی عمارت بنائی ہو اور اس کی خوب زینت وآرائش کی ہو مگر اس کی ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہو۔ پس لوگ اس کے اردگرد چکر لگائیں اور اس کی خوبی تعمیر پر خوش ہوں اور اس سے کہیں کہ آپ نے یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی۔ آپؐ نے فرمایا پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔

اجماعِ امت اور عقیدۂ ختمِ نبوت

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد کی جو پہلی مہم اپنی خلافت میں بھیجی وہ مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کی طرف تھی۔ جمہور صحابہ کرام نے مسیلمہ کو محض اس کے دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اس کے پیروؤں کو اس کی تصدیق کی وجہ سے کافر سمجھا اور صحابہ وتابعین نے مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں سے باجماع وہ سلوک کیا جو کفار اور مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے گویا امتِ مسلمہ کا پہلا اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختمِ نبوت اور ہر نئے متنبی کے خارج از اسلام ہونے پر تھا۔

قاضی عیاضؒ اپنی کتاب شفاء میں فرماتے ہیں: لانه اخبر انه صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ولا نبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالیٰ انه خاتم النبیین واجمعت الامة علی حمل

هذا الكلام على ظاهره انه مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك فى كفر هولاء الطوائف كلها قطعا اجماعا وسماعا۔ (شفاء ص۳۶۲،مطبوعه هند) ترجمہ: اس لئے کہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی خبر دی ہے کہ آپ سلسلۂ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ میں سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ اس اجماع کو یوں نقل فرماتے ہیں: و كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين مما نطقت به الكتب وصدعت به السنة واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان اصر۔ (روح المعانی،ص۶۵،ج۷) ترجمہ: اور آنحضرتؐ کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں اور احادیثِ نبویہ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مضمون کی بابت فرماتے ہیں: دعوى النبوة بعد نبينا كفر بالاجماع۔ (شرح فقه اكبر ص ۲۰۲) ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع کفر ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ فاتح بمبئی ہیں

بمبئی ہندوستان کا سب سے بڑا تجارتی شہر ہے، اور بیرونی ممالک سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات کا سب سے بڑا مرکز ہے، حاجیوں کیلئے پورے ہندوستان کا سب سے بڑا حج ہاؤس بھی بمبئی میں ہے، جب پانی کے جہاز سے سفر کرنا پڑتا تھا اسی بمبئی سے ہندوستان کے حجاج کرام کے سفر کا آغاز ہوا کرتا تھا۔ صابو صدیق مسافر خانہ کے نام سے سب سے پہلے حاجیوں کا مخصوص مسافر خانہ بھی بمبئی میں قائم ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد بمبئی ہی میں عالی شان حج ہاؤس اس شان کے ساتھ تیار ہوا کہ پورے ہندوستان میں اتنا بڑا حج ہاؤس کہیں اور تعمیر نہیں ہوسکا۔ اور اس شہر میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے، اور پھر پورے ہندوستان کے ہندو مسلم سکھ عیسائی غرضیکہ ہر ہندوستانی باشندے کیلئے بمبئی اہم ترین مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری طرف پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ مسلک دیوبند سے متعلق علماء، صلحاء اور مشائخ کی تعداد ہے مگر اس کے باوجود شہر بمبئی کے دائرے میں مسلک دیوبند ایک اجنبی اور انجان مسلک کی حیثیت سے تھا۔ چنانچہ مسلک دیوبند کے چھوٹے بڑے کسی بھی درجہ کے عالم کیلئے شہر بمبئی میں مجمع عام میں بیان کرنا اور عوام کے سامنے مسلک دیوبند کو اجاگر کرنا ایک مشکل ترین امر تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو ایسی وجاہت اور ایسا علم اور اخلاق حسنہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ بمبئی سے ناکام واپس آتے تھے اور عوام عمومی سطح پر مسلک دیوبند سے بدظن تھے۔ جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی انتہائی کوششوں سے (بقیہ صفحہ ۶۲ پر)

(قسط اول)

فضائل اعمال پر اعتراضات کا تحقیقی و تفصیلی جائزہ

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

قارئین کرام: شیخ الحدیث، برکۃ العصر حضرت مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے مختلف اعمال کے فضائل پر چند رسالے تصنیف فرمائے تھے جو بعد میں یکجا کر کے فضائل اعمال کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔

یہ رسائل عوام کی اصلاح کی خاطر جس مخلصانہ اور دردمندانہ جذبے کے ساتھ لکھے گئے اسے بارگاہ ایزدی میں شرف قبول حاصل ہو گیا اور اسی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ آج شرق و غرب، شمال و جنوب، بحر و بر میں جس کثرت اور عقیدت و محبت کے ساتھ یہ رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں کم از کم آخر کی پانچ صدیوں میں لکھے گئے کتب و رسائل میں اس کی نظیر نہیں ملتی، جن کی قسمت میں اللہ نے ہدایت رکھی تھی انہوں ان رسائل سے ہدایت حاصل کی اور جو شرف ہدایت سے محروم تھے وہ مختلف وساوس و مکر و فریب کے ساتھ ان رسائل پر کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہو گئے، اور اسی خبط میں ایسے جاہلانہ و سوقیانہ اعتراضات کر گئے جس سے ان کے علم و عقل کی قلعی کھل گئی، اور جب ان جاہلانہ اعتراضات کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا تو ان معترضین کی علم دشمنی اور خرد ماغی کے ساتھ متعصّبانہ ذہنیت اور گمراہانہ فکر و خیال کی پرتیں بھی کھلتی چلی گئی۔

ہم اس سلسلے کے تحت ان تمام اعتراضات و وساوس کا بالاستیعاب تفصیلی جائزہ سلسلہ وار اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) کیا فضائل اعمال کی تصنیف کے وقت حضرت شیخؒ کسی دماغی بیماری میں مبتلا تھے؟

فضائل اعمال میں شامل رسالہ ”حکایات صحابہؓ“ کی تالیف کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخؒ اس رسالہ کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کیلئے دماغی کام سے روک دیا گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ (حکایات صحابہ کی تصنیف) میں گذاردوں کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے“ (تمہید حکایات صحابہ)

اس عبارت کو سامنے رکھ کر غیر مقلدین کے بڑے بڑے سورماؤں نے حضرت شیخؒ پر یہ گھناؤنا اعتراض کیا ہے کہ فضائل اعمال کی تصنیف کے وقت حضرتؒ کا دماغ خراب تھا (معاذاللہ) اور اسی دماغ کی خرابی کے زمانے میں یہ کتاب لکھی اس لئے اس میں بہت سی غلط باتیں لکھ گئے۔

فضائل اعمال میں جن غلط باتوں کی غیر مقلدین نے نشاندہی کی ہے جب ہم ان کا جائزہ لیں گے اس وقت پتہ چل جائیگا غلطی کس کی ہے؟ اور دماغ کس کا خراب ہے؟ فی الوقت ہمیں اس اعتراض کا تجزیہ کرنا ہے۔

اولاً: حکایات صحابہ کے شروع میں لکھی گئی بات کو پوری فضائل اعمال پر چسپاں کرنا خود بہت بڑی جہالت اور فضائل اعمال سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے؛ کیونکہ فضائل اعمال دس رسائل کے مجموعے کا نام ہے جن میں نو رسالے حضرت شیخ کے تصنیف کردہ ہیں، اور یہ نو رسالے حضرتؒ نے مختلف اوقات میں لکھے ہیں، بعض رسائل کی تصنیف میں کئی کئی سال کا فاصلہ ہے، حضرت شیخ نے خود ہر رسالے کے شروع میں اور اپنی دوسری کتاب آپ بیتی میں ہر رسالے کی وجۂ تالیف اور تاریخ تالیف لکھ دی ہے، ہم ترتیب وار ہر رسالے کا سن تالیف قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

فضائل قران	ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ
فضائل رمضان	رمضان ۱۳۴۹ھ
فضائل تبلیغ	صفر ۱۳۵۰ھ
حکایات صحابہ	شوال ۱۳۵۷ھ
فضائل نماز	محرم ۱۳۵۸ھ
فضائل ذکر	شوال ۱۳۵۸ھ
فضائل حج	از شوال ۱۳۶۶ھ تا جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ
فضائل صدقات	از شوال ۱۳۶۶ھ تا صفر ۱۳۶۸ھ
فضائل درود شریف	از رمضان ۱۳۸۴ھ تا ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

(ماخوذ از آپ بیتی حصہ اول)

اندازہ کر لیجئے! کہ جب ہر رسالے کا سن تالیف الگ الگ ہے اور بعض رسائل میں کئی کئی سال کا فاصلہ ہے حتی کہ فضائل قرآن اور فضائل درود شریف کی تالیف میں چھتیس سال کا فاصلہ ہے اس کے باوجود بھی ایک رسالہ حکایات صحابہ کے متعلق لکھی بات کو ہر رسالے پر چسپاں کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ جبکہ کئی رسالے حکایات صحابہ سے پہلے بھی تصنیف ہو چکے تھے۔

ثانیاً: حضرت شیخ کی اس عبارت میں کہیں بھی کسی دماغی بیماری کا کوئی ذکر نہیں، صرف دماغی کام سے روکے جانے کا ذکر ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ بیماری کوئی دماغی تھی جس میں ڈاکٹر نے دماغی کام سے منع کیا تھا یا کوئی عام بیماری تھی؟

حضرت شیخ نے آپ بیتی میں اس بیماری کے متعلق لکھا ہے کہ:

"یہ نکسیر کی بیماری تھی جو قدیمی نہیں؛ بلکہ اچانک ایک سفر میں حملہ آور ہوئی تھی" (آپ بیتی حصہ اول ص ۱۷۴)

نکسیر کی بیماری کے متعلق سبھی جانتے ہیں کہ یہ ایک عام سی بیماری ہے جو گرمی وغیرہ کی شکایت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ہندوستان کے مشہور حکیم کبیر الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:

"رعاف (نکسیر) عام طور پر کثرت وحدت خون کی وجہ سے عارض ہوا کرتا ہے" (بیاض کبیر حصہ اول ص ۵۸)

یعنی خون کی زیادتی یا گرمی کی وجہ سے یہ بیماری ہوتی ہے، اس عام بیماری کو دماغی مرض؛ بلکہ اس سے بڑھ کر

دماغ کی خرابی بتلانا معترضین کی امانت ودیانت اور اخلاقی پستی، شرافت کے دیوالیہ پن اور دماغی کیفیت کا پتہ دیتاہے۔

حضرت شیخ کی زندگی سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ آپ پوری پوری رات مطالعہ اورتصنیف وتالیف میں گذارتے اوردن درس وتدریس میں، ظاہر ہے یہ کام نہایت ہی دماغی ہیں، اس لئے ڈاکٹر نے کچھ دنوں کیلئے ان کاموں سے روک دیا، اسی فرصت کے عالم میں حضرت نے یہ کتاب تالیف فرمادی، یہ تالیف بھی عام دماغ والوں کیلئے یقیناً دماغی کام ہے؛ لیکن جس شخص کا روزمرہ کا مشغلہ دس دس موضوعات پر بیک وقت مطالعہ، تصنیف وتالیف اور درس وتدریس ہو اس کے لئے دیگرتمام امور سے یکسو ہوکر حدیث وتاریخ کی کتابوں سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات نقل کردینا کون سادماغی کام ہے؟

ثالثاً: اگر بالفرض والمحال تھوڑی دیر کیلئے معترضین کی دماغی خرابی کونظرانداز کرتے ہوئے یہ مان لیاجائے کہ یہ دماغی بیماری تھی توبھی اس بیماری میں حضرت شیخ نے صرف حکایات صحابہ لکھی اوراتفاق دیکھئے کہ اسی حکایات صحابہ پر غیرمقلدین نے سب سے کم اعتراض کئے ہیں اورجو کئے ہیں وہ بھی بالکل احمقانہ وجاہلانہ ہیں، یہ توحضرتؒ کی کرامت ہوگئی کہ اتنی شدید بیماری میں ایسی بہترین عمدہ کتاب تصنیف فرمادی کہ متعصب دشمن بھی اعتراض نہ کرسکے، اب غیرمقلدین خودغور کرلیں کہ جس کی بیماری کی حالت میں لکھی ہوئی کتاب نے تمہارے معترضین کوناکوں چنے چبانے پر مجبور کردیااس کی حالت صحت کی تصانیف کا کیاعالم ہوگا؟

حضرت شیخ کے مرض نکسیر میں تصنیف پر گھناؤنے اعتراض کرنے والوں کو اپنے گریبان میں بھی جھانکنا چاہئے۔

غیرمقلدین کے شیخ الکل نذیرحسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

”نذیرحسین دہلوی کوضیق نفس کے دورہ کی شکایت تھی اوراسی دورے کی حالت میں لیٹ کرسبق پڑھایا کرتے تھے“ (ملخصاً الحیات بعدالمات ص ۲۴۸)

نکسیر کو دماغی مرض بتانے والے اس دورے کے مریض کے متعلق کیا کہیں گے؟ اور پھراسی حالت میں سبق پڑھانے میں کیاگل کھلاتے ہوں گے؟ چونکہ جماعت غیرمقلدین کے تقریباً تمام بڑے بڑے علماء واکابرین نذیرحسین کے شاگرد ہیں اس لئے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نذیرحسین کے شاگردوں نے ہندوستان بھرمیں جوغیرمقلدیت کا گند پھیلایا وہ اسی دورے کی حالت میں حاصل کئے ہوئےعلم کانتیجہ ہے۔

(۲) حضرت حنظلہؓ غسیل اورحنظلہ کاتبؓ کے واقعات کوملاکرمغالطے کی کوشش

حضرت شیخ نے حکایات صحابہ ص ۳۶ پرحضرت حنظلہ کاتبؓ کاواقعہ لکھاہےجس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”وہ فرماتے ہیں جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں توہماری کیفیت الگ ہوتی ہے، جنت جہنم گویا ہمارے سامنے ہوتی ہے؛ لیکن جب ہم اپنے بیوی بچوں میں مشغول ہوجاتے ہیں تووہ کیفیت نہیں رہتی، دل میں خیال

آیا کہیں یہ نفاق تو نہیں؟ اور اسی خیال میں یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکلے کہ حنظلہ منافق ہوگیا، راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے صورتحال دریافت کی اور ان کی گفتگوسن کر فرمانے لگے یہی کیفیت میری ہے ، دونوں حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کارگذاری سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کوتسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: حنظلہ گاہے، گاہے، ۔یعنی انسان کی ایک ہی کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی ، ہمیشہ ایک ہی کیفیت پر رہنا تو فرشتوں کی صفت ہے"

اس کے بعد اسی کتاب کے ص ۵۷ پر حضرت حنظلہ غسیلؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ:

" اُحد کے وقت ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ، پہلی رات میں بیوی سے ملاقات کے بعد غسل بھی نہیں کیا تھا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی خبر کان میں پڑی اور فوراً اسی حالت میں میدان جنگ میں پہنچ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے" **انتھی ملخصاً**

ان دونوں واقعات کو پیش کر کے غیر مقلدین نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ دیکھو پہلے واقعہ میں حنظلہؓ کے بیوی بچوں کا تذکرہ ہے جبکہ دوسرے میں ہے کہ حنظلہؓ شادی کے پہلے ہی دن شہید ہوگئے ، جب شادی کے پہلے ہی دن شہید ہوگئے تو بچے کہاں سے آئے ؟ کیا پہلے ہی دن ان کے بچے بھی پیدا ہوگئے تھے؟ اس لئے دونوں میں ایک واقعہ جھوٹا ہے دونوں سچے نہیں ہوسکتے۔

اس اعتراض کی وجہ بھی دراصل کم علمی اور جہالت ہے، دونوں واقعات بالکل صحیح اور درست ہیں اور دونوں میں کسی طرح کا کوئی تضاد بھی نہیں ؛ کیونکہ تضاد اس وقت ہوتا جب یہ دونوں واقعات ایک ہی شخص کے ہوتے ، حالانکہ یہ دونوں واقعات دو الگ الگ شخصیتوں کے ہیں، صرف نام ایک ہونے سے شخصیت کا ایک ہونا لازم نہیں آتا ، پھر یہ واقعات حضرت شیخ نے اپنی طرف سے نہیں لکھے ؛ بلکہ حدیث کی بیشمار کتابوں سے نقل کئے ہیں، اس لئے یہ اعتراض حضرت شیخ یا فضائل اعمال پر نہیں ؛ بلکہ حدیث وسیر کی ان بیشمار کتابوں پر ہے جن میں یہ دونوں واقعات لکھے ہوئے ہیں، اس لئے معترضین فضائل اعمال کے نہیں ؛ بلکہ اکابر محدثین اور ان کی کتابوں کے دشمن ہیں۔

نفاق کا واقعہ حضرت حنظلہ اسیدی کاتبؓ کا ہے

پہلا واقعہ جس میں بیوی بچوں کا تذکرہ ہے وہ حضرت حنظلہ بن الربیع الاسیدی التمیمی الکاتبؓ کا ہے، حضرت حنظلہ کاتبؓ کی یہ نفاق والی روایت مسلم شریف ج ۲ ص ۳۵۵ پر موجود ہے، مسلم شریف کے شارحین نے اس روایت کے تحت اِن صحابی کے نام کی اچھی طرح وضاحت بھی کر دی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"عن حنظلة الاسيدى وكان من كتاب رسول الله ﷺ ۔۔۔۔منسوب الى بنى اسيد بطن من بنى تميم " (شرح مسلم للنواوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۳۵۵) ترجمہ: حنظلہ اسیدی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین وحی میں سے ہیں ۔۔۔اور قبیلہ بنو اسید کی طرف منسوب ہیں جو عرب کے مشہور قبیلہ بنوتمیم کی ایک شاخ ہے۔

تقریباً یہی بات علامہ اُبی مالکیؒ نے اکمال المعلم ج ۷ ص ۱۵۵ پر، قاضی عیاض مالکیؒ نے شرح مسلم ج ۸ ص ۲۴۹ پر، اور غیر مقلد صفی الرحمن مبارکپوری نے اپنی کتاب منۃ المنعم شرح مسلم ج ۴ ص ۲۶۶ پر لکھی ہے۔

مسلم شریف کے علاوہ یہ روایت ترمذی ج ۲ باب صفۃ القیامۃ ، ابن ماجہ ، مسند احمد بتحقیق احمد شاکر ج ۱۳ ص ۴۳۴ ،طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۱ وغیرہ کتابوں میں بھی موجود ہے ، امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے ، مسند احمد کے محقق احمد شاکر اور ناصرالدین البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو! صحیح ترمذی رقم ۲۵۱۴)

مختصر تعارف حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ

یہ عرب کے مشہور حکیم اکثم بن صیفی کے بھتیجے ہیں ،غزوۃ الطائف میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صلح کا پیغام دیکر اہل طائف کے پاس بھیجا تھا ، یہ جنگ قادسیہ میں بھی شریک ہوئے اور کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے ، جنگ جمل کے وقت یہ ان لوگوں میں سے تھے جو غیر جانبدار تھے اور قرقیسیاء میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور وہیں حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کا انتقال ہوا ، اس نفاق والی روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات ان سے مروی ہیں ، مثلاً دیکھئے! طبرانی کبیر رقم الحدیث ۳۴۸۹ (کذا فی الاصابہ والاستیعاب)

اُحد میں شہادت کا واقعہ حضرت حنظلہ ابن ابی عامر الراہب کا ہے

دوسرا واقعہ جس میں شادی کے پہلے ہی روز شہادت کا تذکرہ ہے وہ حضرت حنظلہ ابن ابی عامر الصیفی الراہب المعروف بالغسیل کا ہے ، یہ واقعہ بیشمار معتبر وثقہ محدثین نے اپنی حدیث وسیر کی درج ذیل کتابوں میں نقل کیا ہے ۔

سیرۃ ابن اسحق ص ۳۱۲ ۔ صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۹۵ ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۵۷ ۔ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۸۵۳ ۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۰۴ ۔ سنن بیہقی ۴ ص ۱۵ ۔ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶ ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۱۳۹ ۔ اسد الغابۃ ج ۲ ص ۸۶ ۔ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۴۵ وغیرہ

امام بیہقیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : **”وھو فیما بین اھل المغازی معروف“** کہ یہ واقعہ اہل مغازی کے یہاں معروف ومشہور ہے (سنن بیہقی)

امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : **”ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ“** یہ حدیث امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق صحیح ہے اگرچہ بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا ، امام ذہبیؒ نے بھی اس روایت کی تصحیح میں حاکم کی موافقت کی ہے ۔ (مستدرک)

صحیح ابن حبان کے محشی اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں : **”حدیث صحیح رجالہ ثقات“** یہ حدیث صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ومضبوط ہیں (صحیح ابن حبان)

غیر مقلد ناصرالدین البانی نے اس روایت کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے (سلسلۃ الصحیحۃ ج ۱ ص ۶۴۵ ، تحقیق ابن حبان ج ۱۰ ص ۱۳۷)

اس روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت اس کا شاہد موجود ہے جس کے الفاظ ہیں :

”لما اصیب حمزۃ بن عبدالمطلب وحنظلۃ بن الراھب وھما جنبان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت الملائکۃ تغسلھما“ (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۱ ، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۸) ترجمہ : جب حضرت حمزہ بن

عبدالمطلب اور حنظلہ بن راہب حالت جنابت میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا وہ ان دونوں کو غسل دے رہے تھے۔

علامہ ہیثمیؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: "رواه الطبرانی فی الکبیر واسناده حسن" (مجمع) کہ یہ روایت طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے

مختصر تعارف حضرت حنظلہ بن صیفی الراہب

قال البغوی :حنظله بن ابی عامر اخی بنی عمرو بن عوف توفی علی عهد رسول الله ﷺ ولم یذکر له حدیثا (معجم الصحابہ ج۲ ص۱۸۸)

وقال ابو نعیم :حنظله بن ابی عامر بن الصیفی بن النعمان الراهب الانصاری ثم الاوسی (معرفة الصحابة ج۲ ص ۸۵۳)

حنظلہ ابن ابی عامر کے والد ابو عامر الراہب عداوت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی طرح پیش پیش تھے، عبداللہ ابن ابی نے تو اپنی عداوت پر منافقت کا پردہ ڈال لیا؛ لیکن ابو عامر اپنی عداوت کو چھپا نہ سکا اور مدینہ منورہ سے بھاگ کر کفار مکہ کے ساتھ جاملا اور پھر اُحد میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے آیا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا؛ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ مکہ چھوڑ کر روم بھاگ گیا اور ہرقل سے جاملا اور وہیں ہرقل کے پاس ۹ھ یا ۱۰ھ میں حالت کفر میں مرا۔ (کذا فی الاستیعاب)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"**واسلم ابنه حنظله فحسن اسلامه واستشهد بأحد لایختلف اهل المغازی فی ذلك**" (الاصابہ ج۲ ص ۴۵) ترجمہ: ابو عامر کے بیٹے حنظلہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا (یعنی ہر قسم کے نفاق وغیرہ سے پاک) اور اُحد میں شہید ہو گئے اہل مغازی کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام بغویؒ کے بقول ان کی کوئی حدیث کتابوں میں نہیں ملتی۔

دراصل غیر مقلد معترضین اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ صحابہ میں حنظلہ نام کے صرف ایک ہی صحابی ہیں، حالانکہ اگر انہوں نے حدیث وتاریخ کا معمولی مطالعہ بھی کیا ہوتا تو ہرگز اعتراض نہ کرتے" کیونکہ حنظلہ نام کے کئی صحابہ ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے کئی محدثین نے حنظلہ نام کے ۱۴ صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ)

اگر ان دونوں واقعات کو نقل کرنے کی وجہ سے حضرت شیخ پر اعتراض ہو سکتا ہے تو غیر مقلدین کے مایۂ ناز محدث ناصر الدین البانی پر تو بدرجہ اولی اعتراض ہونا چاہئے؛ کیونکہ اس نے ان دونوں واقعات کو نہ صرف نقل کیا؛ بلکہ ان دونوں کی تصحیح بھی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو! السلسلۃ الصحیحۃ ج۱ ص ۶۴۵ اور صحیح ترمذی بتحقیق الالبانی رقم ۲۵۱۴)

ہم معترضین کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ خدارا کچھ علم سیکھیں اس کے بعد فضائل اعمال کا مطالعہ کریں

ان شاء اللہ کوئی اعتراض ہوگا ہی نہیں، اور اگر اسی طرح جہالت کے ساتھ بکواس کا سلسلہ جاری رکھا تو جس عوام کو عربی جبے اور رومال لگا کر بے وقوف بناتے ہو حقیقت سامنے آنے کے بعد وہی لوگ تمہارے منہ پر تھوکیں گے۔ ان شاء اللہ

(۳) حضرت ام حکیمؓ کے واقعہ پر اعتراض کا جواب

حضرت ام حکیمؓ مشہور صحابی حضرت عکرمہ ابن ابی جہل کی بیوی تھی، حضرت شیخؒ نے حکایات صحابہ ص ۱۲۷ پر ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس میں یہ بیان کیا ہے کہ:

"حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی (ام حکیمؓ) ساتھ تھیں، حضرت عکرمہ اس میں شہید ہو گئے تو خالد بن سعید نے ان سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں مرج الصفر ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا الخ"

اس واقعہ پر غیر مقلد معترضین نے ایک نہایت ہی سطحی قسم کا اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ شیخ زکریا کے بیان کے مطابق حضرت عکرمہؓ کی شہادت کے فوراً بعد ان کی بیوہ ام حکیمؓ سے اسی سفر میں خالد بن سعید نے نکاح کر لیا، جب اسی شہادت کے بعد اسی سفر میں نکاح کر لیا تو چار ماہ دس روز کی عدت کہاں گئی؟ شیخ زکریا نے اس واقعہ میں ایک صحابی اور صحابیہ پر جھوٹا الزام لگایا ہے کہ انہوں نے بغیر عدت گذارے نکاح کر لیا، شیخ کو صحابہ پر اس قسم کے گندے الزام لگاتے ہوئے شرم کرنی چاہئے تھی۔ وغیرہ وغیرہ

جواب

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ جیسے عظیم محدث و محقق پر اس قسم کے جاہلانہ و سطحی اعتراض کرتے ہوئے معترضین کو شرم کرنی چاہئے؛ کیونکہ حضرتؒ کے بیان کردہ واقعہ میں کہیں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ام حکیمؓ نے بغیر عدت دوسرا نکاح کر لیا تھا، یہ نتیجہ معترضین نے اخذ کیا ہے جو ان کی پست ذہنیت کی پیداوار ہے۔

اولاً: اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت شیخؒ نے اپنی طرف سے نہیں لکھا؛ بلکہ معتمد، معتبر وثقہ محدثین کی کتابوں سے نقل کیا ہے، متعدد محدثین ومؤرخین نے حضرت ام حکیمؓ کے ترجمہ میں اس واقعہ کو نقل کیا۔ مثلاً:

امام محمد بن سعد بن منیعؒ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹۲، ۹۳

حافظ ابن عساکرؒ تاریخ دمشق ج ۷۰ ص ۲۲۶، ۲۲۷

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۸ ص ۲۲۵

حافظ ابوعمر ابن عبد البر مالکیؒ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۹۴۹

حافظ ابن اثیر جزریؒ اسد الغابۃ ج ۷ ص ۳۰۹

ان مذکورہ تمام محدثین نے بغیر کسی نکیر کے اس واقعہ کو بیان کیا ہے، حافظ ابن عساکرؒ نے متعدد سندوں کے ساتھ جبکہ امام ابن سعدؒ نے اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنی عبد الحمید بن جعفر عن ابیہ کی بہترین

سند سے اس روایت کی تخریج کی ہے،اس لئے معترضین کو چاہئے کہ جو اعتراض حضرت شیخ اور ان کی کتاب فضائل اعمال پر کیا ہے اب وہی اعتراض ان تمام محدثین اوران کی مذکورہ کتب پر بھی کریں۔

ثانیاً: اگرچہ حضرت شیخ کے ذکر کردہ واقعہ میں عدت کا تذکرہ نہیں؛لیکن چونکہ واقعہ معتبر ہے اور معتبر محدثین نے اپنی معتبر کتابوں میں سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر ہمیں ہر حال میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ چاہے واقعہ میں عدت کا ذکر ہو یا نا ہو؛لیکن حضرت ام حکیمؓ نے شوہر کی شہادت کے بعد مکمل عدت گذاری اس کے بعد دوسرا نکاح کیا،ممکن ہے کہ راوی نے قصداً عدت کا ذکر نہ کیا ہو کیونکہ اسے معلوم تھا کہ صحیح ذہنیت اورفطرت سلیمہ رکھنے والے حضرات صحابہؓ کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ علی الاعلان حکم شریعت کی اس طرح مخالفت کریں گے،اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ام حکیمؓ نے بغیر عدت نکاح کرلیا تو حضرت ام حکیمؓ اس وقت ہزاروں صحابہ کی جماعت کے ساتھ تھیں اوران کے شوہر عکرمہ کی شہادت بھی سبھی کے علم میں تھی پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے بغیر عدت گذارے دوسرا نکاح کرنے پر ہزاروں صحابہ کی جماعت خاموش رہے اور کوئی نکیر نہ کرے؟اس طرح تو معاذ اللہ تمام صحابہ مجرم قرار پائیں گے۔

رابعاً: اگر معترضین کا یہ اصول تسلیم کرلیا جائے کہ جس واقعہ میں وفات یا طلاق کے بعد دوسرے نکاح کا ذکر ہو اور عدت گذارنے کا ذکر نہ ہو وہ جھوٹا واقعہ ہے اوراس کا ناقل صحابہ کا دشمن ہے تو ہم بطور نمونہ صرف بخاری شریف سے دومثالیں ذکر کرتے ہیں اور معترضین کو دعوت دیتے ہیں کہ یا تو ان واقعات میں طلاق کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے عدت کا ذکر دکھائیں یا پھر انہیں بھی جھوٹا قرار دیکر امام بخاریؒ کے اوپر بھی وہی اعتراض کردیں جو حضرت شیخ پر کیا ہے۔

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت: ان امرأة رفاعة القرظی جاءت الی رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله! ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده عبدالرحمن بن زبیر القرظی الخ (بخاری ج۲ص۷۹۱) ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا یارسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق مغلظہ دیدی اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظی سے نکاح کرلیا۔

(۲) عن عائشة رضی اللہ عنہ ان رجلاً طلق امرأته ثلثاً فتزوجت فطلق الخ (بخاری ج۲ص۷۹۱) ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا تو اس دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی۔

دیکھئے! ان دونوں روایتوں میں طلاق کے بعد دوسرے نکاح کا تو ذکر ہے؛لیکن طلاق کی عدت کا کوئی ذکر نہیں،اب اگر کوئی شخص غیر مقلد معترضین کی ذہنیت والا یہاں بھی اعتراض کربیٹھے کہ دیکھو بخاری نے ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں صحابہؓ کے بغیر عدت گذارے نکاح کا تذکرہ ہے اس لئے یہ واقعہ جھوٹا ہے اوراسے بیان کرنے والا (امام بخاریؒ) **معاذاللہ** صحابہ پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے،وغیرہ وغیرہ تو معترضین کیا جواب دیں گے؟ **فماھو جوابکم فھو جوابنا**

خامساً: اس روایت کے بعض طرق میں حضرت عکرمہؓ کی شہادت کے بعد حضرت ام حکیمؓ کے عدت

گذارنے کا واضح بیان موجود ہے جیسا کہ ابن عبدالبرؒ اور ابن عساکرؒ نے واقدی اور ابن سعد کے حوالے سے فاعتدت اربعة اشهر وعشرا کے صاف وصریح الفاظ نقل کئے ہیں ،اس لئے اب کوئی اعتراض ہی نہیں بنتا،معترضین کو چاہئے کہ اعتراض کرنے سے پہلے کچھ کتابیں الٹ کر دیکھ لیا کریں۔

یہ واقعہ مذکورہ محدثین میں بعض نے عدت کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض نے بغیر ذکر کے،حضرت شیخ نے غالباً ان محدثین کی کتابوں سے نقل کر دیا جن کے یہاں عدت کا ذکر نہیں تھا،اس لئے کوئی اعتراض نہیں۔

دراصل معترضین کو دھوکہ یہاں سے لگا کہ روم کے سفر میں حضرت عکرمہؓ شہید ہوئے اور اسی سفر میں ان کی بیوی ام حکیم نے خالد بن سعیدؓ سے دوسرا نکاح کر لیا،معترضین بیچارے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سفر بھی آج کل کے ہمارے اسفار کی طرح دو چار روز یا زیادہ سے زیادہ ہفتے دس دن کا ہوگا،اس لئے اتنی کم مدت میں عدت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،حالانکہ اگر بیچاروں نے کچھ لکھا پڑھا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا یہ سفر کوئی دو چار روز یا ہفتے دس دن کا سفر نہیں تھا؛ بلکہ کئی مہینوں اور کئی سالوں پر محیط تھا،کیونکہ حضرت عکرمہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں ۱۳ سنہ ھ میں اپنا لشکر لیکر روم تشریف لے گئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر میں جا کر مل گئے تھے،اور پھر اس لشکر نے یرموک،مرج الصفر،اجنادین وغیرہ کی جنگیں لڑیں،اسی دوران حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات ہوگئی اور حضرت عمرؓ خلیفہ بنے،حضرت عمرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو سپہ سالار بنایا، اور پھر حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں اسی لشکر نے ۱۵ سنہ ھ میں بیت المقدس فتح کیا (البدایہ والنہایہ)

گویا یہ سفر کئی سالوں پر محیط تھا اور اتنے لمبے عرصے میں کتنے ہی نکاح ہو سکتے ہیں اور کتنی ہی عدتیں گذاری جاسکتی ہیں۔واللہ اعلم

(جاری)

(بقیہ صفحہ ۵۳ کا)

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ایک پروگرام بمبئی سینٹر میں رکھا گیا اور حضرت مولانا ارشاد احمد صاحبؒ نے بھی حضرت حکیم الاسلامؒ کی معیت میں اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اور حضرت حکیم الاسلامؒ نے ہزاروں کے مجمع میں سیرت رسولؐ پر ایسا بااثر خطاب فرمایا کہ پورے مجمع میں لرزہ پیدا ہوگیا اور اسی اجلاس میں ہزاروں کی کایا پلٹ گئی اور ہزار ہا ہزار افراد نے اس خطاب کے بعد مسلک دیوبند کو سینے سے لگایا اور اپنی پچھلی بدگمانی سے تائب ہوگئے اور بہتوں نے رو رو کر توبہ کی۔اس دن سے مسلک دیوبند کیلئے بمبئی کا راستہ کھل گیا۔اس کے بعد الحمدللہ بمبئی کی ہزاروں مسجدیں مسلک دیوبند کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔اور چھوٹے بڑے دسیوں (بلکہ ہزاروں) مدارس قائم ہوگئے اور مسلک دیوبند کے مدارس کیلئے بمبئی چندہ کا اہم مرکز بن گیا۔

(ماخوذ از: ماہنامہ "ندائے شاہی" مراد آباد مئی ۲۰۱۷ء جلد ۱۹ / شمارہ ۵ / ۔مقالہ بنام: حکیم السلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ برصغیر کی عظیم الشان شخصیت، مقالہ نگار: حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد یو۔پی)

رضاخانی مولویوں کے جھوٹے اِلزام کا جواب

زین العابدین قاسمی بہرائچ یو۔پی

رضاخانی / بریلوی مولوی اپنی تقریروں، تحریروں میں یہاں تک کہ سوشل میڈیا (فیس بوک، وہاٹس ایپ اور بلاگ وغیرہ) پرملفوظات حکیم الامت کے حوالے سے یہ اِلزام لگاتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے فتویٰ دیا ہے کہ ''ماں سے زنا کرنا جائز ہے'' (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے، ایسی بات کوئی مسلمان لکھ ہی نہیں سکتا ہے، لعنت ہواُن جھوٹے رضاخانی / بریلوی مولویوں پر جوجُبّہ ودستار پہن کر بَرسرِ اسٹیج اِتنابڑا جھوٹا اِلزام لگاتے ہیں۔ (لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ)

اِس جھوٹے الزام کا پردہ فاش کرنے کے لئے حکیم الامت، مُجدِّدِ دین ومِلَّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوملفوظ نقل کررہا ہوں جس کو بنیاد بناکر اتنا بڑا جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، دونوں ملفوظ پڑھ لینے کے بعد یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ رضاخانی / بریلوی مولوی یا توعلم سے اتنے کورے ہوتے ہیں کہ سہل اور آسان عبارت کوبھی نہیں سمجھ پاتے ہیں، یا پھر جان بوجھ کر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور اللہ کی لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۲۱۷: ''صحیح مِعیار ہر امر (چیز) میں وحی ہے، ورنہ رایوں (عقلوں) میں اتنا اختلاف ہے کہ کسی امر کے مُتعلق اُس کا قطعی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حق بات کیا ہے؟ اور پھر لطف یہ کہ ہر شخص کے پاس اپنی تائید میں دلائل موجود ہیں، حتیٰ کہ ایک کمبخت اپنی اماں سے (زنا میں) مُبتلا تھا، اُس کو جو لوگوں نے لعنت ملامت کی تو اُس نے یہ دلیل پیش کی کہ جب میں پورا کا پورا اندر تھا تو اگر میرا ایک چھوٹا سا عضو (شرمگاہ) اُس (ماں) کے اندر داخل ہوگیا تو اِس میں کیا قباحت (برائی) لازم آگئی؟ لیجئے! دلیل تو اُس کے پاس بھی ایسے فعلِ شنیع (بُرے کام) کی موجود تھی، تو پھر کیا اس سے یہ جائز ہوجائیگا؟ (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ معروف بہ ملفوظات حکیم الامت جلد ۹ / صفحہ ۲۶۸)

ملفوظ نمبر ۴۸: ''ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس نیچریت کی بدولت زیادہ تر لوگوں کی دینی حالت برباد ہوئی، اُن کے یہاں ہر چیز کا معیار اور مدار محض عقل ہے، لیکن موٹی بات ہے کہ مخلوق احکامِ خالق کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے؟ اور عقل بھی تو مخلوق ہی ہے، وہ کہاں تک پرواز کرے گی؟ کہیں نہ کہیں جاکر اس کی دوڑ ضرور ختم ہوجائے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اِن سب چیزوں کو وحی کے تابع بنا کر کام میں لگائیں، بدوں وحی کے اتباع کے راہ کا ملنا کارے دارد، پس اصل چیز ہے وحی۔ اور اگر نری عقل پر مدار ہے تو عقل کا ایک اقتضاء تو یہ ہے جیسا ایک شخص نے کہا تھا، وہ اپنی ماں سے بدکاری کیا کرتا تھا، کسی نے کہا کہ ارے خبیث! یہ کیا کرتا ہے؟ تو کہتا ہے کہ جب میں سارا ہی اُس (ماں) کے اندر تھا تو اگر میرا ایک جزو (حصہ) اُس کے اندر چلا گیا توحرج کیا ہوا؟ یہ حکم بھی تو عقلیت میں سے ہوسکتا ہے۔ ایک شخص گُو (پاخانہ) کھایا کرتا تھا، اور منع کرنے پر کہا کرتا تھا کہ جب یہ میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے ہی اندر چلا جائے تو اِس میں کیا حرج ہے؟ تو (کیا) اِن چیزوں کو عقل کے فتوے سے جائز رکھا جائیگا؟ ایسے ہی یہ آج کل عُقلاء ہیں۔ غرض عقل کا اتباع بِدوں وحی کے کرنا بالکل اِنہی

واقعات کا مصداق ہے، چنانچہ اب بھی نتیجہ یہی ہو رہا ہے اور ہوگا کہ گوُ کھائیں گے اور کھا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ارے کیوں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو؟ جب تک وحی کا اتباع نہ کروگے میں بقسم کہتا ہوں کہ راہ نہیں ملنے کا۔۔۔۔۔۔۔ جب تک وحی کے سامنے اپنی عقل کو اپنی رایوں کو نہ مٹا دوگے، اور فنا نہ کردوگے اُس وقت تک ہرگز ہرگز منزل مقصود کا پتہ نہ چلے گا'' (الاضافات الیومیہ جلد ۶ صفحہ ۴۰، ۴۱)۔

دیکھو! حضرت تھانویؒ وحی کی اہمیت اور نِری عقل کی مذمّت فرما رہے ہیں کہ اگر وحی کو چھوڑ کر نِری عقل کی اتباع کروگے تو وہی نتیجہ ہوگا جو اِن دو شخصوں کے واقعے میں ہے، اسلئے عقل کو وحی کے تابع کرنا ضروری ہے تبھی منزل مقصود تک پہونچنا ممکن ہوگا، تو حضرت تھانویؒ نے نِری عقل کی مذمت ظاہر کرنے کیلئے اِن واقعات کو بیان کیا ہے نہ کہ ان چیزوں کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

پہلے ملفوظ میں **"تو پھر کیا اس سے یہ جائز ہو جائیگا؟"** اور دوسرے ملفوظ میں **"تو (کیا) اِن چیزوں کو عقل کے فتوے سے جائز رکھا جائیگا؟"** اِن دونوں جملوں میں سوال برائے انکار ہے، جن کا صاف مطلب ہے کہ یہ چیزیں جائز نہیں ہیں، مگر برا ہواُن ناپاک ذہنیت والے مولویوں کا جو اتنی صاف اور صریح عبارت کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں، اور ایک ایسا جھوٹا الزام لگاتے ہیں جو صاحبِ ملفوظ کے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مردہ کے ایصال ثواب کو کون منع کرتا ہے؟ ہاں صحیح طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مقصود تو ثواب ہے، اور ثواب موقوف ہے خلوص پر، اور رسم کے اتباع اور تفاخر میں خلوص کہاں؟ پس منع کرنے کا حاصل یہی ہے۔ اور خلوص کی حالت میں بھی ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح حاصل ہے، بیان اس کا یہ ہے کہ ثواب کھانے، کپڑے، نقد سب کا پہنچتا ہے، اب آگے دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مخفی طریقہ (چپکے) سے اہل حاجت (ضرورتمند) کو پہونچایا جائے خدمت کردیجائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کھانا پکایا جائے اور لوگوں کو کھلایا جائے، تو اِس دوسری صورت سے پہلی صورت افضل ہے، جبکہ دوسری صورت میں بھی خلوص ہو، اور اگر خلوص نہ ہو ریاء تفاخر ہی ہو پھر تو ظاہر ہے کہ دوسری صورت بالکل ہی لغو اور فضول ہے۔ صَرف (خرچ) بھی ہوا اور میت کو ثواب نہ پہنچا، تو کیا اس کو منع نہ کیا جائے؟ اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں، اور آج کل یہی غالب عادت ہے، عام طور پر یہی خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ میاں فلاں کے ورثہ نے کچھ بھی نہ کیا، اسی وجہ سے مخفی طریقہ (چپکے) سے صَرف (خرچ) کرنے کو جی قبول نہیں کرتا، صَرف بھی ہوا اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایصال ثواب کیسے ہوا؟ اور اگر یہ ریاء کی نیت نہیں؛ بلکہ خلوص ہے تب بھی مشورہ یہی کہ مخفی طریقہ (چپکے) سے اہل حاجت ضرورتمند محتاج لوگوں کی امداد کردیجائے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۵ / ۲۳۵، ۲۳۶)

اپیل

احقاق حق اور ابطال باطل کی اہم ترین ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے افراد سازی کی ضرورت ہے، اسی مقصد کی تکمیل کے لئے شہر سجان گڈھ میں میگا ہائی وے اور نیشنل ہائی وے 65 سے متصل ساڑھے بائیس لاکھ روپے کی ایک زمین خریدی گئی ہے، جس کا رقبہ تقریبا ساڑھے چار ہزار گز ہے، زمین کی آدھے سے زیادہ قیمت ابھی باقی ہے۔ اس زمین پر ایک ایسے ادارے کی تعمیر زیر تجویز ہے جس میں دار العلوم دیو بند کی سرپرستی اور نگرانی میں مدارس کے فارغین فضلاء کو رد باطل پر تخصص اور پی ایچ ڈی کرائی جائے گی جس کے لئے دار العلوم دیو بند اور ملک کے دیگر معتبر اداروں کے ممتاز فضلاء و متخصصین کی خدمات حاصل کی جائیں گی، نیز تحقیق و تدقیق کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا جائے گا۔

اس کثیر المصارف پروجیکٹ کی تکمیل ہم تہی دستوں کے لئے بظاہر ناممکن ہے، لیکن خدا کی نصرت غیبی پر توکل کر کے یہ جرأت کی ہے امید ہے کہ اہل خیر اور علم دوست و مسلکی حمیت وغیرت رکھنے والے حضرات اس جانب توجہ فرما کر اس عظیم الشان کام کی تکمیل کا ذریعہ بنیں گے۔ اس کے صلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو بہترین اجر عنایت فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

مرکزی دفتر مجلس تحفظ سنت

لاڈنوں روڈ سجان گڈھ، ضلع چورو (راجستھان) 331507

رابطہ نمبر: 9024799841, 9457637025